اسلامی تصوف کا عطر اور قدیم صوفیہ رحمۃ اللہ علیہم کی تصانیف پر تبصرہ

مولانا عبد الماجد دریابادی

اسلامی تصوف کا عطر اور قدیم صوفیہ رحمۃ اللہ علیہم کی تصانیف پر تبصرہ

تاریخِ تصوفؒ

(تصوف اور اِسلام)

مولانا عبدالماجد دریابادی

بُک کارنر
جہلم۔ پاکستان

Tareekh-e-Tasawuf
By: Maulana Abdul Majid Daryabadi
Jhelum: Book Corner. 2016
240p.
1. History - Mysticism - Sufism
ISBN: 978-969-662-054-9

اشاعت: ستمبر 2016ء

تاریخِ تصوف

مصنف: مولانا عبدالماجد دریابادی   نظرثانی: پروفیسر سیّد امیر کھوکھر
حروف خوانی: سیّد ذوالفقار حسین   سرورق: محمد شکیل طلعت
مطبع: زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور

ناشر:
گگن شاہد، امر شاہد
بک کارنر
پرنٹرز، پبلشرز اینڈ بک سیلرز، جہلم، پاکستان

Publisher:
Gagan Shahid & Amar Shahid
Book Corner
Printers, Publishers & Booksellers
Jhelum. Pakistan.

0544-614977, 0544-621953
info@bookcorner.com.pk

book corner showroom
0321-5440882

WWW.BOOKCORNER.COM.PK

فہرست

"اگر سچی درویشی اور اصلی فقیری کی طلب ہے جس کی جڑ مضبوط اور جس کی شاخیں بلند ہوں تو لازم ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی فقیری اور درویشی کو اختیار کرو...... انہیں کی پیروی کرو کہ صاف اور پاکیزہ پانی وہیں ملتا ہے جہاں سے چشمہ پھوٹتا ہے اور بعد کے آنے والوں کی درویشی کو اختیار نہ کرو کہ پانی سرچشمہ سے دُور جا کر گدلا ہو جاتا ہے اور اس کا رنگ اصلی باقی نہیں رہتا۔"

مولانا عبدالماجد دریابادی

دیباچہ

طبع ثانی

پورے پانچ سال ہونے کو آئے، جب تصوفِ اسلام اول بار شائع ہوئی تھی، رب کریم کے الطافِ بے کراں کا شکریہ کس زبان سے ادا کیا جائے، جس نے اپنے اس ہیچمدان اور بے مایہ بندہ کی قلمی کوشش کو مقبول بنایا اور تین ساڑھے تین برس کی مدت میں پہلے ایڈیشن کو ختم کرا دیا۔ ۱۹۲۸ء کی آخری سہ ماہی میں طبعِ اول کے مسودہ پر نظر ثانی، ترمیم و اضافہ کا موقع ملا اور ۱۹۲۹ء کی آخری سہ ماہی میں اس کی اشاعت کی نوبت آ رہی ہے۔ ذالك فضل اللّٰه یوتیه من یشآء و اللّٰه ذوالفضل العظیم۔

طبع اوّل کو بعض اہل دل بزرگوں کی پیش گاہ سے خلعتِ قبول حاصل ہوا اور ان کی دعاؤں کی برکتیں رائگاں نہیں جا سکتیں، دوسری طرف نامور مستشرق، کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر نکلسن نے بھی بہت حوصلہ افزا خیالات کا اظہار فرمایا اور اپنے گرامی نامہ میں اس ناچیز تالیف کو ''طلبہ تصوف کے لیے ایک نہایت مفید مقدمہ'' قرار دیا، وہ کریم و کارساز جس ذرّہ کو چاہے، آفتاب بنا دے اور جس بے مایہ کو چاہے،

سرمایہ سے مالا مال کردے ''دادِ حق را قابلیت شرط نیست'' جس کسی نے کہا ہے، بالکل صحیح کہا ہے۔

موجودہ اڈیشن میں مسودہ کی نظر ثانی لفظاً لفظاً کی گئی ہے جا بجا عبارتیں بدل دی گئی ہیں کہیں کہیں کسی مشکل لفظ کے بجائے کوئی آسان لفظ رکھ دیا گیا ہے۔ اکثر مقامات پر جزوی اضافہ کیے گئے ہیں اور ایک فاضل دوست کے حسب مشورہ ایک پورا باب (باب ۶) سرے سے بالکل نیا شامل کر دیا گیا ہے، ان کے علاوہ آخر میں دو مضامین، اپنے ہفتہ وار سچ سے نقل کر کے بطور ضمیمہ بڑھا دیے گئے ہیں، ممکن ہے ان کے مطالعہ سے کسی طالب کو کچھ نفع پہنچ جائے، مقصد ان دونوں مقالات کا بھی وہی ہے، جو ان اوراق کا ہے یعنی صحیح اسلامی تصوف کی توضیح وتشریح، ان سب تغیرات سے قدرتاً حجم میں خاصہ اضافہ ہو گیا ہے، ظاہری ضخامت کے اضافہ کے ساتھ خدا کرے کچھ معنوی خوبیاں بھی پیدا ہو گئی ہوں۔

پچھلے سال، اللہ کے فضل و کرم سے، صاحب مثنوی، حضرت مولانائے رومی رحمۃ اللہ کے ملفوظات طیبات کی بھی، جو اب تک غیر مطبوع اور شاید نا معلوم بھی تھے، بہ اضافہ مقدمہ وتبصرہ وحواشی، طبع واشاعت کی توفیق نصیب ہوگئی جو حضرات فارسی کی استعداد اوسط درجہ کی رکھتے ہیں اور تصوف کی تشریح، اس مشہور ومعروف عارف کامل کی زبان سے نثر میں سننا چاہتے ہیں وہ شاید فیہ مافیہ (کہ یہی اس ملفوظ کا نام ہے) کا مطالعہ اپنے لیے بے لطف و بے نفع نہ پائیں و آخر دعوٰنا ان الحمدللّٰہِ ربّ العالمین۔

عبدالماجد

دریاباد، بارہ بنکی

ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ

دیباچہ

طبع اوّل ۱۹۲۴ء

اسلام خدا کی طرف سے بندوں کے حق میں کامل ترین و جامع ترین پیامِ رحمت ہے، انسان کی ذہنی و عقلی، اخلاقی و معاشرتی، جسمانی و روحانی، انفرادی و اجتماعی تمام ضرورتوں کا کفیل اور ہر شعبۂ حیات میں ترقیوں کا ضامن، خدارسی و خداشناسی کی تعلیم اس کا اصل مقصود تھی، اس پر اُس نے خاص طور سے زور دیا اور اس کے ذرائع و وسائل اس نے اِس جامعیت کے ساتھ بیان کیے کہ ان میں کسی قسم کے تغیر و ترمیم، تخفیف و اضافہ کی گنجائش نہ چھوڑی۔

مسلمانوں میں ابتدا سے ایک گروہ ایسا موجود ہے جس نے تمام مقاصد دنیوی سے قطع نظر کر کے، اپنا نصب العین محض یادِ خدا و ذکرِ الٰہی کو رکھا اور صدق و صفا، سلوک و احسان کے مختلف طریقوں پر عامل رہا۔

شروع شروع یہ گروہ دوسرے ناموں سے ملقب رہا، ایک طویل عرصہ گزر جانے کے بعد رفتہ رفتہ اس کے مسلک کا نام مسلکِ ''تصوف'' پڑ گیا اور یہ گروہ ''گروہِ صوفیہ'' کہلانے لگا۔

اصطلاحِ تصوف کب سے رائج ہوئی؟ اس بحث کا یہاں موقع نہیں، نہ اس لفظ

کے اشتقاق اور اس کی تحقیق لغوی کو اِس وقت بیان کرنا مقصود ہے، یہاں کہنا صرف یہ ہے کہ اس گروہ کے اکابر قدیم پہلے مسلمان تھے پھر صوفی، وہ تصوف کو اسلام کے مقابل ایک جداگانہ مسلک کی حیثیت سے نہیں لاتے تھے، بلکہ اسلام کے ماتحت اسی کی پاکیزہ ترین صورت کو کہتے تھے وہ اپنے اسلام کو اپنے تصوف پر مقدم رکھتے تھے اور تصوف کو محض اس لیے عزیز و محبوب رکھتے تھے کہ وہ ان کی نظر میں اسلام کی خالص ترین و پاکیزہ ترین تعبیر تھی۔

صفحات آئندہ میں بعض قدیم اکابر صوفیہ رحمہم اللہ کی اصل تصانیف کی مدد سے یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان حضرات کے نزدیک تصوف کا مفہوم محض اس قدر تھا کہ اتباعِ کتاب و سنت میں انتہائی سعی کی جائے، اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دلیلِ راہ رکھا جائے اوامر و نواہی کی تعمیل کی جائے، طاعات و عبادات کو مقصودِ حیات سمجھا جائے، قلب کو محبت و تعلق ماسوا سے الگ کیا جائے، نفس کو خشیتِ الٰہی سے مغلوب کیا جائے اور صفائے معاملات و تزکیۂ باطن میں جہد و سعی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہونے پائے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ بلکہ ان کے مرید بااختصاص اور بانی سلسلۂ سہروردیہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ تک کی تصانیف میں یہ اسلامی عنصر قائم اور یہی رنگ غالب ہے، اس زمانہ کے بعد شیخ ابن عربی رحمہ اللہ ① کے اثر سے نظامِ تصوف میں فلسفیانہ عنصر کو غلبہ حاصل ہونے لگا، وحدتِ وجود وغیرہ کے مسائل پیدا ہونے لگے اور فارسی شاعری کے اثر سے ان تخیلات کو اور تقویت ہوتی گئی، چناں چہ ملا جامی رحمہ اللہ کی لوائح (جیسا کہ آگے چل کر اسی کے تبصرہ کے ذیل میں ظاہر ہوگا) ایک اچھی خاصی فلسفیانہ تصنیف کی حیثیت رکھتی ہے تاہم نویں صدی کا یہ تصوف بھی اگرچہ ابتدائی صدیوں کے تصوف سے بہت کچھ منحرف ہو چکا تھا ان رسم پرستیوں سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا، جن پر آج اکثر خانقاہوں اور درگاہوں میں تصوف کا اطلاق ہوتا ہے۔

---

① شیخ ابن عربی رحمہ اللہ شیخ سہروردی رحمہ اللہ کے ہم عصر تھے۔

تصوف کی موجودہ مسخ شدہ شکل یونانی اوہام، ایرانی تخیلات، ہندی مراسم اور دیگر غیر اسلامی عناصر کا ایک معجون مرکب ہے، جس کے صرف بعض اجزا اسلامی کہے جا سکتے ہیں اور وہ بھی بڑی تلاش و دیدہ ریزی کے بعد نظر آتے ہیں، حاشا ثم حاشا، یہ اسلامی تصوف نہیں، اسلامی تصوف وہ تھا جو خود حضرت سرورِ کائنات ﷺ کا تھا، جو سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ و سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا تھا جو سیّدنا سلمان رضی اللہ عنہ و سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کا تھا، جس کی تعلیم حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ و حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے دی ہے جس کی ہدایت حضرت سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ و شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ، خواجہ معین الدین اجمیری رحمہ اللہ و محبوب دہلوی رحمہ اللہ، سیّدنا خواجہ نقشبندی و مجدد سرہندی رحمہ اللہ کرتے رہے اور جس کی دعوت، اس دور آخر میں شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کی زبانِ قلم دیتی رہی۔

خواجہ معین الدین اجمیری رحمہ اللہ، سلسلۂ چشتیہ کے مُسلّم و مقتدا بزرگ گزرے ہیں، ملفوظات مبارک کا مجموعہ دلیل العارفین کے نام سے خواجہ قطب الدین بختیار رحمہ اللہ کا فراہم کیا ہوا شائع ہو چکا ہے ان کا رسالۂ مذکور اول سے آخر تک نماز و عبادات کی تاکید اور اتباعِ سنتِ رسول ﷺ کے فضائل سے لبریز ہے وضو وغیرہ کے بعض معمولی سنن کی پابندی پر اتنا زور دیا گیا ہے کہ آج اکثروں کو فرائض میں اس کا نصف اہتمام بھی نصیب نہیں اور اس باب میں اس سے بھی زیادہ قابل ذکر بانی سلسلۂ عالیہ قادریہ، محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی کتاب غنیۃ الطالبین ہے، جو شروع سے آخر تک بجائے کسی درویش و صوفی کے ایک ٹھیٹھ فقیہ اور عالم متشرع کی فقہی تالیف نظر آتی ہے۔

سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے ایک اور گوہر درخشاں خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی دہلوی رحمہ اللہ تھے جن کے ملفوظات میں سب سے زیادہ معتبر رسالہ فوائد الفواد (مرتبہ امیر حسن علا سنجری رحمہ اللہ) اور حالات و سوانح میں رسالۂ سیر الاولیاء (مرتبہ میر خورد دہلوی رحمہ اللہ) موجود ہیں، ان رسائل کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

''بندہ راپیش طلبید وفرمود کہ باید کہ مشغول پیوستہ بہ طاعت وعبادت باشی''

(فوائد الفواد، مطبوعہ نولکشور، صفحہ ۲۴)

''حکایت جماعت متحیران افتاد........... یکے از حاضران حکایت کرد کہ من وقتے جائے رسیدم وایں چنیں ہفت کس را دیدم دو چشم در آسماں داشتہ۔ شب و روز متحیر ماندہ، مگر آنکہ وقتِ نماز درمی آمد، ایشان نمازی گذاردند و باز ہمچناں متحیرمی ماندند، خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر فرمود کہ آرے انبیا معصوم اند واولیا محفوظ ہمچنیں باشد، کہ گفتی، اگرچہ شب وروز متحیر باشند امانمازِ ایشان فوت نہ شود۔''

(صفحہ ۱۴۴، ایضاً)

''چوں عمر عزیز سلطان المشائخ بہ ہشتاد کشید، پنج وقت نماز بجہت جماعت از بالائے بام جماعت خانہ کہ عمارتے بس رفیع است فرود آمدے، وبا درویشاں وعزیزان کہ درآن جمع ملکوت حاضرمی شدند، نماز گذاردے۔''

(سیر الاولیاء صفحہ ۱۲۴)

اکابر چشتیہ کی ساری زندگیاں، صحیح اسلامی تصوف کا نمونہ تھیں تفصیل کسی مناسب موقع پر بیان ہوگی۔

عہد نبوت سے تقریباً ایک ہزار سال گزرنے پر شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ پیدا ہوئے جنہوں نے نہ صرف سلسلۂ نقشبندیہ بلکہ تمام سلاسلِ تصوف میں تجدید واصلاح کا صور اس بلندی آہنگی کے ساتھ پھونکا کہ اس کی صدائے بازگشت آج تک دنیائے اسلام کے در و دیوار سے آرہی ہے، شیخ موصوف رحمۃ اللہ کے مکتوبات کے ضخیم دفتر ملک میں شائع ہو چکے ہیں، ان میں شروع سے آخر تک، مختلف اسلوبوں اور پیرایوں میں

صرف ایک ہی دعویٰ کی تکرار، صرف ایک دعوت کا اعادہ ہے اور وہ یہی ہے کہ صوفیہ کو عقائد و اعمال ہر شے میں کتاب و سنت ہی کو اپنا دلیلِ راہ بنانا چاہیے اور اس کے خلاف جس کسی کے بھی اقوال ہوں انہیں مردود سمجھنا چاہیے، چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

''بدانکہ از جملہ ضروریات طریق مسالک اعتقاد صحیح است کہ علمائے اہل سنت آن را از کتاب و سنت و آثارِ سلف استنباط فرمودہ اند......... و اگر بالفرض خلاف آن معانی مفہومہ بکشف و الہام امرے ظاہر شود آن را اعتبار نہ باید کرد و از آن استعاذہ باید نمود۔''

(مکتوبات مجددی حصہ ۵ صفحہ ۴۷ مطبوعہ امرتسر)

''شریعت را صورتے ست و حقیقتے صورتش آن ست کہ علماء ظواہر بیانِ آن متکفل اند و حقیقتش آن کہ صوفیہ علیہ بہ آن ممتاز اند۔''

(حصہ ۳ صفحہ ۵۷)

''آنچہ بر ما فقیران لازم ست دوامِ دل ست و افتقار و انکسار و تضرع و التجا و ادائے وظائفِ عبودیت محافظتِ حدود شرعیہ متابعتِ سنت سنیہ''

(حصہ ۳ صفحہ ۵۶)

''ولایت را درجات اند بعضہا فوق بعض، زیرا کہ بر قدم ہر نبی ولایت است مخصوص بآن، و اقصائے درجات آن ہمان درجہ ایست کہ بر قدم پیغمبر ماست.........و ازیں مقام عزیز الوجود نصیب کامل و حظ وافر حاصل ست مہر اکمل تابعانِ آن سرورِ ما علیہ الصلوٰۃ والسلام پس لازم گیرید متابعتِ آنحضرت ﷺ را اگر شمایان بتحصیل این دولت قصویٰ و تکمیلِ ایں درجۂ علیا متوجہ اید۔''

(حصہ اول صفحہ ۰۰)

’’محمد رسول اللہ محبوب رب العالمین ﷺ است ہر چیز کہ خوب و مرغوب است از برائے مطلوب و محبوب است لہٰذا حق سبحانہٗ تعالیٰ در کلام مجید خودمی فرماید اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ و نیزمی فرماید تعالیٰ و تقدس اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ. عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ و نیز فرمودہ تعالیٰ وتقدس وَ اَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ ملت اورا علیہ الصلاۃ والسلام صراط مستقیم خواندہ و ماسوائے اورا داخل سبل گردانیدہ، و اتباع آن منع فرمودہ..........

باطن متمم ظاہرات و مکمل آن۔ سرموئے بایکدگر مخالفت ندارد..........پس سالکانِ سبل طریقت وحقیقت را اگر در اثنائے راہ اموریکہ بہ ظاہر باشریعت در جنگ اند ظاہر شوند وظاہر سازند مبنی بر سکر وقت وغلبۂ حال است اگر از آن مقام گذرانند و بہ صحو آرند، آن منافات بالکلیہ مرتفع می شود و آن علوم متضادہ بہ تمام ہبا منثور میگردند۔‘‘

(ایضاً، ج ۲، ص ۳۰۲)

مکتوبات مجددی کی ایک ایک سطر اسی تعلیم محمدی ﷺ سے لبریز ہے۔ دورِ آخر میں یہی دعوت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی مختلف تصنیفات، وصایا، القلول الجمیل، حجۃ اللہ البالغہ، الفوز الکبیر وغیرہ کے ذریعہ سے پیش کی۔ خدائے پاک و برتر اس حقیر خدمت کو قبول فرمائے اور دورِ حاضر کے مسلمانوں کو صحیح اسلامی تصوف سمجھنے اور اس کے اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

عبدالماجد

دریاباد۔ بارہ بنکی

۲۱۔ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ

بَابْ ۱

کتاب اللّمع

(شیخ ابونصر سراج رحمۃ اللہ)

و هو فقيه مشايخهم اليوم.①

شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ لکھتے ہیں:

''درفنون علم کامل بود۔''

اساتذہ میں جعفر الخلدی رحمۃ اللہ، ابوبکر محمد رحمۃ اللہ بن داؤد الدوقی رحمۃ اللہ واحمد بن محمد ساتح رحمۃ اللہ کے نام قابلِ ذکر ہیں، بیعت ابومحمد مرتعش رحمۃ اللہ سے تھی۔②

مولانا جامی رحمۃ اللہ وغیرہ متعدد تذکرہ نویسوں نے سری سقطی رحمۃ اللہ و سہل تستری رحمۃ اللہ سے ملاقات کا حال بیان کیا ہے لیکن پروفیسر نکلسن کی تحقیق میں یہ روایت قطعاً غلط ہے③۔

تصوف پر متعدد کتابیں تصنیف کیں④ لیکن آج بجز کتاب اللمع کے اور کوئی

① یہ پوری عبارت پروفیسر نکلسن کے مقدمہ کتاب اللمع سے منقول ہے۔

② نفحات جامی، نکلسن کے نزدیک یہ روایت مشتبہ ہے۔

④ نفحات الانس جامی وسفینۃ الاولیاء داراشکوہ صفحہ ۱۵۲ (نولکشور)

موجود نہیں، بلکہ اُن کے نام تک کسی کو معلوم نہیں۔

تصوف میں جو بلند مرتبہ رکھتے تھے، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ شیخ فریدالدین عطار رحمہ اللہ جیسے مسلم شیخ الشیوخ ان کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں ①

''آن عالمِ عارف، آن حاکم خائف، آن امین زمرہ آن نگینِ حلقہ فقرا آن زبدۂ امشاج، شیخِ وقت ابونصر سراج رحمہ اللہ، امامے برحق بودو یگانہ مطلق و متعین و متمکن واورا طاؤس الفقرا گفتندے وصفت ونعت او چندان است کہ درقلم وبیان آید دیار عبارت وزبان گنجد، ودرفنون علم کامل بود ودر ریاضت ومعاملات شانے عظیم داشت درحال وقال وشرح دادن بہ کلماتِ مشائخ آیتے بود۔''

اِس قسم کے الفاظ مختصراً مولانا جامی رحمہ اللہ وغیرہ نے بھی استعمال کیے ہیں ان کے چند ارشادات جو تذکروں میں محفوظ رہ گئے ہیں، ان سے بھی اہل ذوق مرتبۂ کمال کا اندازہ کرسکتے ہیں۔

۱۔ فرماتے تھے:

''عشق اُس آگ کا نام ہے جو عاشقوں کے دل اور سینے میں جلتی رہتی ہے اور خدا کے سوا جو کچھ ہے اسے جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔ ②''

۲۔ یہ بھی ارشاد تھا کہ

''بلحاظ ادب انسانوں کے تین طبقہ ہیں: ایک طبقہ اہل دنیا کا ہے کہ اس کے نزدیک ادب نام ہے فصاحت، بلاغت وحفظِ علوم وفنون و

---

① تذکرۃ الاولیا، عطار رحمہ اللہ صفحہ ۱۸۲ جلد ۲ (مطبوعۂ یورپ)

② تذکرۃ الاولیاء، عطار جلد ۲ صفحہ ۱۸۳ (مطبوعہ یورپ)

اسمائے ملوک و اشعارِ عرب کا، دوسرا طبقہ اہل دین کا ہے جس کے نزدیک ادب سے مراد عباداتِ جوارح وحفاظتِ حدود و ترکِ شہوات و ریاضتِ نفس ہے۔ تیسرا طبقہ اہل خصوص کا ہے، اس کے ہاں ادب سے مفہوم طہارت دل، مراعاتِ سر، وفائے عہد، نگہداری وقت نیکو کرداری، وقتِ حضور و مقامِ قرب ہے۔①"

ایک تیسرا ارشاد ہے جس کے الفاظ کی نزاکت اردو ترجمہ کی متحمل نہ ہو سکے گی اسے اصل فارسی میں سننا چاہیے:

"نسبت بخدا است و از خدا او برائے خدا است، و آفاتے کہ در نماز افتد از نیت افتد و اگر چہ بسیار بود، آن را موازنہ نتوان کرد، نسبتے کہ خدا را بود و بخدائے بود۔"②

ایک بار ماہِ رمضان میں بغداد میں وارد ہوئے اور مسجد شونزیہ کے ایک حجرے میں معتکف ہوئے، درویشوں نے متفق ہو کر نماز میں اپنا امام بنایا، ماہِ مبارک کی تراویح میں پانچ بار قرآن مجید ختم کیا، روزانہ افطار کے وقت خادم ایک روٹی حجرہ میں پہنچا آتا تھا، عید کی نماز پڑھا کر بغداد سے روانہ ہو گئے، خادم نے حجرے مین جا کر دیکھا، تو پوری روٹیاں جوں کی توں رکھی ہوئی پائیں۔③

ایک مرتبہ سردی کے موسم میں شب کے وقت آتشدان کے قریب تشریف فرما تھے چند اور اہل دل حضرات بھی تھے، معرفتِ الٰہی پر گفتگو ہو رہی تھی، دفعتاً شیخ پر زور کی کیفیت طاری ہوئی اور جوش میں آ کر دہکتی ہوئی آگ میں سجدے میں گر پڑے، مریدین

---

① ایضاً

② ایضاً

③ ایضاً، نیز کشف المحجوب شیخ علی ہجویریؒ صفحہ ۲۴۷ (لاہوری)

خوفزدہ ہو کر باہر بھاگے، دوسرے روز آئے تو دیکھا کہ شیخ کے چہرہ پر جلنے کا خفیف داغ تک بھی نہیں، بلکہ چہرہ چاند کی طرح چمک رہا ہے، عرض کیا:

''حضور والا! یہ کیا ماجرا ہے، ہم تو سمجھ رہے تھے کہ سارا چہرہ جل گیا ہو گا۔''

ارشاد ہوا کہ

''جس نے درگاہ الٰہی پر اپنی آبرو دے دی، اس کے چہرہ کو آگ نہیں جلا سکتی۔①

ایک روایت مشہور کے مطابق وفات سے قبل فرمایا کہ

''جس میت کو میرے مزار کے سامنے سے لے کر نکلیں گے، اس کی مغفرت ہو جائے گی۔''

چناں چہ طوس میں اب تک یہ دستور چلا آتا ہے کہ ہر جنازہ کو پیشتر آپ رحمہ اللہ کے مزار پر لاتے ہیں۔②

(۲) تصنیف

آج سے چند سال قبل دنیا کتاب اللمع کے صرف نام سے آشنا تھی، ۱۹۰۹ء میں انگلستان کے نامور مستشرق ڈاکٹر نکلسن نے جو کیمبرج میں فارسی زبان کے پروفیسر ہیں اور کتب تصوف سے ذوق نہیں بلکہ عشق رکھتے ہیں؛ اس کے دو قلمی نسخے دریافت کیے، ایک نسخہ ایک انگریز مسٹر ایلز کے پاس نکلا اور دوسرا انگلستان کے مشہور و معروف کتب خانہ برٹش میوزیم کو کہیں سے ہاتھ لگ گیا تھا، پہلا نسخہ ۱۹۷ اوراق کی ضخامت رکھتا ہے اور صاف وخوشنما

① تذکرۃ الاولیاء، نفحات الانس، سفینۃ الاولیاء

② ایضاً

خط میں احمد بن محمد الظاہری کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے ختمِ کتابت کی تاریخ ۱۰ ربیع الثانی ۶۸۳ھ (مطابق ۲۶ جون ۱۲۸۴ء) درج ہے، جس نسخہ سے یہ نسخہ نقل کیا گیا ہے اس کی تاریخ اس نسخہ پر ۷ شعبان ۵۶۶ھ (مطابق ۱۵/اپریل ۱۱۷۱ء) درج ہے، مختلف اشخاص کے حواشی بھی اُس نسخہ پر موجود ہیں، یہ نسخہ کسی قدر کرم خوردہ ہے جس سے جا بجا حواشی اُڑ گئے ہیں اور ایک جگہ مسلسل دس پندرہ ورق غائب ہو گئے ہیں جس کے باعث پانچ ابواب اور چھٹے باب کے ابتدائی جز سے دنیا محروم ہو گئی ہے دوسرا نسخہ مملوکہ برٹش میوزیم بہت بدخط کرم خوردہ اور ناقص ہے تاہم اس کا زمانہ کتابت نسخہ اول کے، زمانہ مصنف سے قریب تر ہے۔ اس پر زمانۂ کتابت جمادی الثانی ۵۴۸ھ (مطابق اگست و ستمبر ۱۱۵۳ء) درج ہے۔

پانچ برس کی جان فشانی و دیدہ ریزی کے بعد پروفیسر نکلسن نے ان دونوں نسخوں کے مقابلہ کے بعد اصل کتاب کو غایتِ صحت و اہتمام کے ساتھ ۱۹۱۴ء میں شائع کر دیا اور اس پر اشیائے ذیل کا اضافہ کیا:

۱۔ شروع میں نہایت مفصل فہرست مضامین دی۔

۲۔ آخر میں نہایت مبسوط فہرستِ رجال و اسمائے اماکن و قبائل، و کتب وغیرہ مندرجۂ مذکورۂ متن شامل کی۔

۳۔ فٹ نوٹ (حواشی ذیلی) بہت کثرت سے دیے، دونوں نسخوں میں جو اختلاف پائے جاتے ہیں، ان کے جزئیات تک کو ان حواشی میں درج کر دیا ہے۔

۴۔ ساری کتاب کا ملخص ترجمہ انگریزی زبان میں کر کے شامل کیا۔

۵۔ مصنف نے جو غریب و نامانوس الفاظ استعمال کیے ہیں ان کی مفصل فرہنگ دی اور انگریزی میں ان کے معانی بھی بیان کر دیے۔

۶۔ فہرستِ مضامین انگریزی میں بھی دی۔

۷۔ جن اسما و اعلام سے متعلق کوئی اہم بحث کتاب اور اس کے انگریزی خلاصہ میں

موجود ہے ان کی بھی مفصل فہرست انگریزی زبان میں شامل کی۔

۸۔ انگریزی مقدمہ میں مصنف تصنیف اور موضوعِ تصنیف کو روشناس کیا۔

۹۔ ان چالیس صوفیۂ کرام کی فہرست جن کی شخصیت یا جن کی تصانیف سے شیخ سراج رحمہ اللہ نے استفادہ کیا ہے مع ضروری تصریحات کے انگریزی میں شامل کی۔

۱۰۔ شیخ نے بہت سے ایسے صوفیہ کا تذکرہ کیا ہے جن کا نام دوسری کتابوں میں بالکل نہیں آیا ہے یا نادراً آیا ہے، اس قسم کے ایک سو بیس (۱۲۰) صوفیۂ کرام کی فہرست مع ان کے حالات کے جہاں تک معلوم ہو سکے؛ انگریزی میں درج کی۔

ان کے علاوہ اور بھی متعدد اضافے کیے، ان خصوصیات معنوی کے پہلو بہ پہلو نہایت اعلیٰ کاغذ اور حسنِ طباعت کے جملہ لوازم کے ساتھ یہ کتاب شائقین کے ہاتھوں تک پہنچ رہی ہے، کتاب کا پورا نام کتاب اللمع فی التصوف ہے، ملا جامی رحمہ اللہ کی نفحات الانس میں اس کتاب کا املا کتاب اللمعہ درج ہے لیکن اور ہر کتاب میں اس کا املا بجائے اللمعہ کے اللمع ملتا ہے اور نکلسن نے بھی اسی کو قائم رکھا ہے۔

متنِ کتاب کی ضخامت ۴۳۶ صفحہ کی ہے، مقدمۂ مصنف چالیس صفحہ تک آیا ہے، جو اس قسم کے مباحث پر شامل ہے، باب البیان عن علم التصوف، باب فی نعت طبقات اصحاب الحدیث، باب الکشف عن اسم الصوفیہ، باب اثبات علم الباطن، باب التصوف ماہو، باب صفۃ الصوفیہ ومن ھم، باب التوحید بصفۃ الموحد۔ اس کے بعد منطقی ترتیب کی پابندی کے ساتھ کتاب حسب ذیل حصوں میں تقسیم ہے:

۱۔ کتاب الاحوال والمقامات (صفحہ ۴۱۔۷۱) اس کے ماتحت مقامات، احوال اور ان کے حقائق میں سے ہر شے پر الگ الگ ایک باب میں بحث کی گئی ہے

مثلاً باب مقام التوبہ، باب مقام الورع، باب مقام الزہد، باب مقام الصبر، باب مقام التوکل، باب حال الخوف، باب حال المحبۃ، باب حال الشوق، باب حال المشاہدۃ، باب حال الیقین وقس علیٰ ہذا۔

۲۔ ان اصطلاحات صوفیہ کی تشریح کے بعد آغازِ کلام، کتاب اللہ سے کیا ہے، اور اس حصہ کا نام کتاب اہل الصفوۃ فی الفہم والاتباع لکتاب اللہ رکھا ہے، (۷۲۔۹۲)

اس کے تحت میں اس قسم کے ابواب ہیں:

"باب الموافقہ لکتاب اللہ، باب ذکر تفاوت المستمعین خطاب اللہ تعالیٰ و درجاتھم فی قلوب الخطاب، باب وصف ارباب القلوب فی فھم القرآن، باب ذکر السابقین والمقربین والابرار من طریق الفھم والاستنباط وغیرہ۔"

۳۔ "کتاب" کے بعد ہی قدرتاً "سنت" کا ذکر آنا چاہیے، چناں چہ یہ حصہ کتاب الاسوۃ والاقتدا برسول اللہ ﷺ سے موسوم ہے (صفحہ ۹۳۔۱۰۴) اس کے تحتانی ابواب کے عنوانات اس قبیل کے ہیں باب وصف اہل الصفوۃ فی الفہم والموافقہ والاتباع للنبی ﷺ، باب ماروی عن رسول اللہ ﷺ فی اخلاقہ وافعالہ واحوال التی اختارہا اللہ تعالیٰ، باب ماذکر عن المشائخ فی اتباعھم رسول اللہ ﷺ و تخصیصھم فی ذالک وغیرھا۔

۴۔ کتاب المستنبطات (صفحہ ۱۰۵۔۱۱۸) اتباعِ قرآن وحدیث کے بعد ترتیباً انہیں احکام وشعائر کا ذکر آنا چاہیے جو ان پر متفرع اور ان سے مستنبط ہوتے ہیں، چناں چہ عین اسی فطری ترتیب کے مطابق چوتھے نمبر پر یہ حصہ ملتا ہے اس کے ذیل میں اس قسم کے مباحث مندرج ہیں:

"باب مذہب اہل الصفوۃ فی المستنبطات الصحیحہ فی فہم القرآن والحدیث، باب

فی کیفیۃ الاختلاف فی مستنبطات اہل الحقیقۃ فی معنی علومہم و احوالہم، باب فی مستنبطاتہم فی معانی اخبار مرویۃ عن رسول اللہ ﷺ من طریق الاستنباط والفہم وغیرہ۔

۵۔ کتاب الصحابہ رضی اللہ عنہم (صفحہ ۱۱۹۔۱۴۰) قدیم صوفیۂ کرام اتباعِ سنت نبوی ﷺ کے بعد آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی پیروی اپنے لیے باعثِ افتخار سمجھتے تھے، اس لیے قدرتاً ایک مستقل حصہ ان کی نذر ہے، اس کے ذیلی ابواب میں خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم پر، اصحابِ صفہ رضی اللہ عنہم پر اور عام اصحابِ نبوی ﷺ پر الگ الگ عنوان کے تحت میں گفتگو کی ہے۔

۶۔ کتاب آداب المتصوفہ (صفحہ ۱۴۱۔۲۱۰) اس کے تحتانی ابواب کے چند عنوانات یہ ہیں:

> ''باب ذکر آدابہم فی الوضوء والطہارۃ، باب فی ذکر آدابہم فی الصلوٰۃ، باب ذکر آدابہم فی الزکوٰۃ والصدقات، باب فی ذکر الصوم وآدابہم فیہ، باب ذکر آدابہم فی الحج، باب فی ذکر آداب الفقراء بعضہم مع بعض، باب ذکر آدابہم فی الصحبۃ، باب ذکر آدابہم عند مجاراۃ العلم، باب ماذکر من آدابہم فی وقت الطعام، باب فی ذکر آدابہم فی وقت السماع والوجود، باب فی ذکر آدابہم فی اللباس، باب فی ذکر آدابہم عند الموت۔''

یہ حصہ کتاب کے طویل ترین حصوں میں سے ہے اور اس میں صوفیہ کے تمام آدابِ زندگی سے موت ہر ہر شغل کا وقت درج ہے۔

۷۔ کتاب المسائل واختلاف اقاویلہم فی الاجوبۃ (صفحہ ۲۱۱۔۲۳۱) اس حصہ میں صوفیۂ کرام کی زبان سے ان سوالات کے جوابات دیے گئے ہیں جن کا حل کرنا

فقہا وعلمائے ظاہر کے لیے دشوار ہے۔ مثلاً جمع وتفرقہ، مسئلہ فنا وبقا، مسئلہ صدق، مسئلہ اخلاص، مسئلہ ذکر، مسئلہ روح وغیرہ اس حصہ کو مختلف ابواب میں تقسیم نہیں کیا ہے، بیان مسلسل ہے۔

۸۔ کتاب المکاتبات والصدور والاشعار، والدعوات والرسائل (صفحہ ۲۳۲۔۲۶۶) اس حصہ میں جیسا کہ اس کے عنوان سے ظاہر ہوتا ہے حضرات صوفیہ کے مکتوبات رسائل، اشعار، دعوات، وصایا کا ذکر کیا ہے اور ہر ایک کو ایک علیحدہ باب میں لکھا ہے۔

۸۔ کتاب السماع (صفحہ ۲۶۷۔ ۲۹۹) صوفیہ وعلمائے ظاہر کے درمیان اور خود صوفیہ میں باہم ایک اہم اختلافی موضوع مسئلہ سماع ہے؛ یہ حصہ اس مسئلہ کی توضیح وتشریح کے لیے وقف ہے؛ اس کے ماتحت چند ابواب کے عنوانات یہ ہیں:

> "باب فی حسن الصوت والسماع وتفاوت المستمعین، باب فی وصف سماع العامۃ واباحۃ ذلک، باب فی وصف سماع الخاصۃ وتفاضلہم فی ذلک، باب فی ذکر طبقات المستمعین، باب فی وصف سماع المریدین والمبتدئین، باب فی وصف نفوس الخصوص واہل الکمال فی السماع۔"

۱۰۔ کتاب الوجد (صفحہ ۳۰۰۔۳۱۴) اس حصہ کے مباحث کا اندازہ ابواب تحتانی کے ان عنوانات سے ہوگا، باب فی ذکر اختلافہم فی ماہیۃ الوجد، باب فی صفات الواجدین، باب فی ذکر تواجد المشائخ الصادقین، باب فی الواجد الساکن والواجد المتحرک وقس علیٰ ہذا۔

۱۱۔ کتاب اثبات الآیات والکرامات (صفحہ ۳۱۵۔۳۳۲) کراماتِ اولیا کا صحیح مفہوم ان کے اثبات کے دلائل معجزاتِ انبیا علیہم السلام سے ان کا فرق، یہ سب

مباحث بھی ضروری تھے جو اس حصہ میں آ گئے ہیں عنوانات ابوب کا نمونہ یہ ہے:

"باب فی معانی الآیات والکرامات، باب فی الادلۃ علی اثبات الکرامات للاولیا، باب فی ذکر مقامات اہل الخصوص فی الکرامات۔"

۱۲۔ کتاب البیان عن المشکلات (صفحہ ۳۳۳۔۳۷۴) اس حصہ میں کل دو باب ہیں پہلے باب میں ان الفاظ کو جمع کر دیا ہے جو صوفیہ کی زبان میں مخصوص اصطلاحی معنی رکھتے ہیں مثلاً حال، مقام، مکان، وقت، مشاہدہ، سیر، کشف، فنا، بقا، توحید، تجرید وغیرہ اور باب دوم میں ان اصطلاحات کی تشریح کی ہے۔

۱۳۔ کتاب تفسیر الشطحیات والکلمات التی ظاہر ہا مستشنع و باطنہا صحیح مستقیم (صفحہ ۳۷۵۔۴۴۴) یہ کتاب کا آخری حصہ ہے جو پوری تفصیل سے لکھا گیا ہے، اس میں شطحیات صوفیہ کی توجیہ و توضیح ہے، نیز ان غلط فہمیوں کی اصلاح جن میں اکثر علما ظاہر و صوفیہ ناقص مبتلا رہتے ہیں، چند ابواب کے عنوانات یہ ہیں:

"باب فی معنی الشطح، باب تفسیر العلوم و بیان مایشکل علی فہم العلماء من علوم الخاصۃ وتصحیح ذالک بالحجۃ، باب فی کلمات شطحیات تحکی عن ابی یزید، باب فی ذکر ابی الحسین النوری، باب فی ذکر من غلط من المترسمین بالتصوف ومن این یقع الغلط وکیف وجوہ ذٰلک باب فی ذکر من غلط فی الاحوال، باب فی ذکر من غلط فی النبوت والولایت، باب فی ذکر من غلط فی فناء البشریۃ، باب فی ذکر من غلط فی الانوار، باب فی ذکر من غلط فی الروح وغیرہ۔"

ان عنوانات پر نظر کرنے سے معلوم ہوا ہوگا کہ تصوف سے متعلق جتنے ضروری پہلو نکل سکتے ہیں۔ مصنف نے ان میں سے کسی کو بھی نظر انداز نہیں ہونے دیا ہے، ہر ضروری شعبہ کو لیا ہے اور اس پر تفصیل و تحقیق کے ساتھ اظہار خیال کیا ہے، حضرت مصنف

کی زبان میں بھی خاص سلاست وسادگی ہے اس لیے جو اشخاص (راقم سطور کی طرح) عربی زبان سے بہت ہی سرسری واقفیت رکھتے ہیں؛ وہ بھی مستفید ہو سکتے ہیں۔ ذیل میں کتاب کے مختلف مقامات سے اقتباسات دیے جاتے ہیں جن سے نوعیت و مرتبہ تصنیف کا پورا اندازہ ہو سکے گا۔

ایک غیر صوفی کے دل میں سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تصوف ہے کیا شے ہے؟ اور آیا خود اسلام نے صوفیا کو کوئی مرتبہ دیا ہے۔ حضرت مصنف اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید (سورۂ آل عمران آیت ۹۸) میں:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًاۢ بِالْقِسْطِ.

فرما کر

ثم ذكر الله تعالىٰ افضل المومنين عنده دَرَجةً و اعلاهم فى الدِّين رُتْبةً فذكرهم بعد ملئكته و شهد على شهادتهم له بالوحد انية بعد مابدا بنفسه و ثنى ملائكته فقال عزوجل شهد الله انه لااله الا هو والملئكة و اولوالعلم قائماً بالقسط وروى عن النبى ﷺ انه قاله العلماء ورثة الانبياء علیہم السلام عندى والله اعلم ان اولى العلم القائمين بالقسط الذين هم ورثة الانبياء علیہم السلام هم المعتصمون بكتاب الله تعالىٰ المجتهدون فى متابعة رسول الله ﷺ المقتدون بالصحابة والتابعين السالكون سبيل اوليائه المتقين و عباده الصالحين هم ثلثة اصناف اصحاب الحديث والفقهاء والصوفية

فَھٰؤُلَآءِ الثلثة الاصناف من اولی العلم القائمین بالقسط الذین ورثة الانبیاء.

''تمام مومنین سے بلند و برتر مرتبہ ان کا رکھا ہے جو اولوالعلم اور قائم بالقسط ہیں اور ملائکہ کے بعد انہیں کا ذکر کیا ہے اور اپنی توحید پر خود اپنے ملائکہ کے بعد انہیں کی شہادت پیش کی ہے اور حضور سرورِ کائنات ﷺ نے بھی علما کو جانشینِ انبیا علیہم السلام ارشاد فرمایا ہے سو یہ القاب میرے خیال میں ان لوگوں کے حق میں وارد ہیں جو کتاب اللہ کا رشتہ مضبوط تھامنے والے اور رسول کریم ﷺ کی متابعت کے پورے کوشاں اور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمۃ اللہ علیہم کے نقشِ قدم پر چلنے والے اور خدا کے اولیا و متبعین رحمۃ اللہ علیہم کی راہ اختیار کرنے والے ہیں، ایسے اشخاص کو طبقات سہ گانہ میں رکھا جا سکتا ہے۔

ایک طبقہ اربابِ حدیث کا ہے دوسرا فقہا کا اور تیسرا طبقہ صوفیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کا پس یہی طبقات ثلثہ اولوالعلم، قائمین بالقسط اور وارثینِ انبیا علیہم السلام کہے جانے کے مستحق ہیں۔''

(صفحہ ۸ یا ۵)

بہت سے امور صوفیا اور اصحاب حدیث و فقہا کے درمیان مشترک ہیں مثلاً جو معتقدات ان کے ہیں وہی ان کے بھی ہیں، اتباعِ کتاب اللہ و سنت نبوی ﷺ وہ اور یہ دونوں اپنے لیے واجب سمجھتے ہیں، علوم و فنون سے جس طرح وہ کام لیتے ہیں یہ بھی کام لیتے ہیں۔

ثم انّهم من بعد ذلك ارتقوا الى درجات عالية و تعلقوا باحوال شريفة و منازل رفيعة من انواع العبادات و

حقائق الطاعات والاخلاق الجميلة ولهم فى معانى ذالك تخصيص ليس لغيرهم من العلماء واللنقباء و اصحاب الحديث۔

''لیکن اس اشتراک کے بعد صوفیا انواعِ عبادات وحقائق طاعات و اخلاق جمیلہ میں سے جن درجات عالیہ ومنازل رفیعہ کو طے کرنے لگتے ہیں وہاں تک علما وفقہا واصحابِ حدیث کی رسائی بھی نہیں ہو سکتی۔''

(صفحہ ۱۰۔۱۱)

صوفیا کے امتیازی خصوصیات، جن میں دوسرے طبقات ان کے ساتھ شریک نہیں حسب ذیل ہیں:

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ان کی توحید بالکل خالص ہوتی ہے غیر اللہ سے وہ کسی صورت میں بھی دل کو نہیں اٹکاتے، ان کی لو صرف اللہ سے لگی رہتی ہے۔

فاول شيء من التخصيصات للصوفية.......... ترك مالا يعينهم و قطع كل علاقة تحول بينهم و بين مطلوبهم و مقصود هم اذ ليس لهم مطلوب و لا مقصود غير الله تعالىٰ.

''صوفیا کی اولین خصوصیت یہ ہے کہ وہ خدا پر نظر رکھتے ہیں، ان کا مقصود ومطلوب تمام تر خدا ہی ہوتا ہے، ماسوائے اور لایعنی مشاغل سے انہیں کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔''

اس کا لازمی اثر اُن کی زندگی پر یہ پڑتا ہے کہ:

فمن ذالك والقناعة بقليل الدنيا عن كثيرها والاكتفاء

بالقوة الذی لا بد منه والاختصار علیٰ مالا بدمنه من مهنة الدنیا من الملبوس اولمفروش والماکول و غیر ذالك و اختیار الفقر عَلَی الغنا و معانقة القلة و مجانبة الکثرة و ایثار الجوع عَلَی الشبع والقلیل علی الکثیر و ترك العلو والترفع و بذل الجاه والشفقة علی الخلق والتواضع الصغیر والکبیر.

''وہ قناعت کو اپنا شیوہ بنا لیتے ہیں، قلیل کو کثیر پر ترجیح دیتے ہیں، غذا، لباس اور ہر قسم کے سامانِ دنیوی سے صرف مایحتاج کو اختیار کرتے ہیں اور بجائے تونگری کے تنگدستی، بجائے سیری کے گرسنگی، بجائے افراط کے قلت، بجائے جاہ و ترفع کے تواضع و انکسار، چھوٹے بڑے کے مقابلہ میں اپنے لیے پسند کرتے ہیں۔''

(صفحہ۲)

و حسن الظن باللّٰہ والاخلاص فی المسابقة الی الطاعات والمسارعة الی جمیع الخیرات والتوجه الی اللّٰہ تعالیٰ والانقطاع الیه والعکوف علی بلائه والرضا عن قضائه والصبر علی دوام المجاهدة و مخالفة الهویٰ و مجانبة حظوظ النفس والمخالفة لها اذ وصفها اللّٰہ تعالیٰ امارة بالسوءِ النظر الیها بانها اعدیٰ عدوك الق بین جنبیك کماروی عن رسول اللّٰہ ﷺ.

''خدا سے حسن ظن رکھتے ہیں تمام علائق واسباب سے قطع نظر کر کے صرف اسی پر تکیہ رکھتے ہیں، نیکیوں اور طاعتوں کی جانب خلوصِ نیت

کے ساتھ پیش قدمی و تیز روی کرتے رہتے ہیں بلائے الٰہی پر صابر
اور قضائے الٰہی پر راضی رہتے ہیں، مجاہدہ اور مخالفتِ خواہشِ نفس
میں مشغول رہتے ہیں اور اس کو یاد رکھتے ہیں کہ کلام پاک میں نفس کو
امارہ بالسو سے تعبیر کیا گیا ہے اور حدیث نبوی ﷺ میں ارشاد ہوا
ہے کہ انسان کا سب سے بڑا دشمن وہ ہے جو اس کے دونوں پہلوؤں
کے درمیان ہے۔''

(صفحہ ۱۱۔۱۲)

غرض اُن کے تمام اوصاف و اخلاق سنت نبوی ﷺ و آثارِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مطابقت میں ہوتے ہیں اور موجودہ ''پیرزادوں'' اور ''سجادہ نشینوں'' کے ''شاہانہ'' طرزِ معاشرت سے کوئی مناسبت نہیں ہوتی۔

منکرینِ تصوف کا ایک گروہ کہتا ہے کہ قرآن وحدیث میں نہ کہیں صوفیا کا ذکر آیا ہے، نہ تصوف کا۔ اس لیے اس مسلک کو اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوسکتا، لیکن حضرت مصنف جس تصوف کے قائل ہیں۔ کلامِ مجید اس کے ذکر سے بھرا پڑا ہے وہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں بکثرت ایسے الفاظ وعبارات موجود ہیں جن سے اہل تصوف ہی مراد ہیں مثلاً صادقین، صادقات، قانتین، قانتات، خاشعین، موقنین، مخلصین، محسنین، خائفین، وجلین، عابدین، صابرین، راسخین، متوکلین، مخبتین، اولیا، مصطفین، محبین، ابرار، مقربین، سابقین، مقتصدین، مسارعین الی الخیرات، نیز مشاہدین (مثلاً والقی السمع و هو شهید) اور مطمئنین (مثلاً الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب) اسی طرح متعدد احادیث میں بھی اسی طائفہ عالیہ کی جانب اشارات ہیں مثلاً

یہ حدیث کہ

ان من امتی مکلمون و محدثون و ان عمر منهم.

یا یہ کہ:

یدخل بشفاعة رجل من امتی الجنة مثل ربیعة و مضر یقال له اویس قرنی.

یا پھر یہ کہ:

یدخل من امتی الجنة سبعون الفاً بلا حساب قیل من هم یارسول اللّٰه ﷺ قال هم الذین لا یکتوون ولا یسترقون و علی ربهم یتوکلون.

(صفحہ۱۶)

معترضین کا ایک گروہ کہتا ہے کہ عہدِ رسالت ﷺ میں کوئی شخص صوفی کے لقب سے یاد نہیں کیا جاتا تھا اور یہ اصطلاح بہت بعد کی ایجاد ہوئی ہے اس لیے اسے کوئی مذہبی وقعت نہیں دی جاسکتی۔

مصنف نے اس کا نہایت معقول و دلچسپ جواب یہ دیا ہے:

فنقول و باللّٰه التوفیق الصحبة مع رسول اللّٰه ﷺ لها حرمة و تخصیص من شمله ذلك فلا یجوزان یعلق علیه اسم علیٰ انه اشرف من الصحبة و ذلك لشرف رسول اللّٰه ﷺ و حرمة الا تریٰ انهم ائمة الزهاد والعباد و المتوکلین و الفقراء والرامنین والصابرین والمنجتین و غیر ذلك و مانا لوا جمیع مانا لوا الا ببرکة الصحبة مع رسول اللّٰه ﷺ فلما نسبو الی الصحبة التی هی اجل الا حوال ستحال ان یفضلوا بفضیلة غیره الصحبة الق هی اجل الا حوال.

''کہ اصحاب رسول ﷺ کے لیے کوئی دوسرا تعظیمی لفظ مستعمل ہو ہی نہیں سکتا تھا اس لیے کہ ان کے جتنے بھی فضائل تھے سب سے اشرف و اعظم ان کی فضیلتِ صحابیت تھی کہ صحبتِ رسول ﷺ تمام بزرگیوں اور فضیلتوں سے بڑھ کر ہے ان کا زہد، فقر، توکل، عبادات، صبر و رضا غرض جو کچھ بھی ان کے فضائل تھے ان سب پر ان کا شرفِ صحابیت غالب تھا پس جب کسی شخص کو لفظ صحابی سے ملقب کر دیا گیا تو اس کے فضائل کی انتہا ہو گئی اور کوئی محل ہی نہیں باقی رہا کہ اسے صوفی یا کسی دوسرے تعظیمی لفظ سے یاد کیا جاوے۔''

(صفحہ۲۲)

باقی رہا یہ کہنا کہ یہ اصطلاح بغدادیوں کی رائج کردہ اور متاخرین کی اختراع ہے سو مصنف کی تحقیق میں یہ قول بالکل غلط ہے اس لیے کہ

و اما قول القائل انه اسم محدث احدثه البغداديون فمحال لان فى وقت الحسن البصرى رحمه الله كان يعرف هذا الاسم و كان الحسن قد ادرك جماعة من اصحاب رسول الله ﷺ ......الخ

''یہ لفظ حسن بصری رحمہ اللہ کے زمانہ میں رائج تھا حالانکہ حسن بصری رحمہ اللہ کا زمانہ بعض صحابیوں رضی اللہ عنہم کی معاصرت کا تھا۔''

چنانچہ ان کے اور سفیان ثوری رحمہ اللہ کے اقوال میں یہ لفظ صوفی استعمال ہوا ہے۔

بلکہ کتاب اخبارِ مکہ کی ایک روایت کے بموجب یہ لفظ عہدِ اسلام سے پیشتر بھی رائج تھا اور عابد و برگزیدہ اشخاص کے لیے مستعمل ہوتا تھا۔

(صفحہ۲۲)

زمانۂ حال کے جو مشائخِ طریقت قیودِ شریعت سے آزاد رہنا اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتے ہیں، انہیں یہ سن کر حیرت و مایوسی ہوگی کہ قدما صوفیہ کے نزدیک، طریقت شریعت میں مطلق تخالف نہ تھا بلکہ شریعت ہی کی تکمیل کا نام طریقت تھا حضرت مؤلف فرماتے ہیں کہ علم کی دو قسمیں ہیں ظاہری و باطنی جب تک اس کا تعلق زبان و اعضا سے ہے اسے علم ظاہری سے تعبیر کریں گے، اسی کا نام علم شریعت ہے مثلاً عبادات میں طہارت، نماز، زکوٰۃ، حج وغیرہ یا احکام میں طلاق، فرائض، قصاص وغیرہ جب اس کا اثر ظاہر سے گزر کر قلب باطن تک محیط ہو جاتا ہے تو اسی کو علم باطن و طریقت سے موسوم کرتے ہیں اور یہاں عبادات واحکام کے بجائے مقامات واحوال کی اصطلاحیں رائج ہیں مثلاً تصدیق، ایمان، اخلاص، صبر، تقویٰ، توکل، محبت، شوق وغیرہ خود کلام مجید میں نعمتوں کی ظاہری و باطنی دو قسمیں قرار دی گئی ہیں۔

وَ اَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً.

(سورۂ لقمان آیت ۲۰)

''دنیا میں ہر شے کا ایک ظاہری پہلو ہے اور ایک باطنی، قرآن کا ایک ظاہر ہے، ایک باطن۔ حدیث کا ایک ظاہر ہے ایک باطن، کتاب اللہ و سنت رسول ﷺ کے اسی باطنی پہلو کا نام طریقت ہے۔ طریقت کتاب اللہ و سنت رسول ﷺ سے الگ کوئی شے نہیں، بلکہ انہیں کے مغز و باطن کا نام ہے۔''

(صفحہ ۲۴۔۲۷)

لفظ ''تصوف'' اور ''صوفی'' کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ اس کے جواب میں مؤلف علام نے مختلف اقوال نقل کر دیے ہیں:

۱۔ ایک قول یہ ہے کہ صوفی دراصل صفوی تھا یہ لفظ ذرا ثقیل تھا، کثرتِ استعمال سے

زبانوں پر صوفی رہ گیا۔

۲۔ حضرت ابوالحسن قناد رحمہ اللہ کا خیال تھا کہ صوفی ''صفا'' سے مشتق ہے اور اس کا اطلاق اہل صفا پر ہوتا ہے۔

۳۔ ایک اور بزرگ کا مقولہ ہے جو لوگ کدورت بشریت سے پاک وصاف کر دیے گئے وہ صوفی کہلانے لگے۔

۴۔ ایک اور بزرگ کی رائے میں ان لوگوں کا لباس انبیاء علیہم السلام کی تقلید میں صوف (پشمینہ) کا ہوتا تھا اس لیے یہ صوفیہ کہلانے لگے۔

۵۔ ایک اور گروہ اس طرف گیا ہے کہ اصحابِ صفہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے باقیات صالحات صوفی کے لقب سے موسوم ہوئے۔

وقس علیٰ ہذا۔ متقدمین کے نزدیک فہم واتباعِ احکام قرآنی کے بعد سب سے زیادہ اہم ومقدم شے اتباعِ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھی، حضرت جنید رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ

''ہمارا یہ سارا علم احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا نچوڑ ہے، قرآن میں اتباعِ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف الفاظ میں حکم آیا ہے۔''

وَاِنْ تُطِیْعُوْهُ تَهْتَدُوْا.

(سورۂ نور آیت ۵۴)

ابوعثمان سعید الجری رحمہ اللہ کا مقولہ تھا کہ

''جو شخص سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو قولاً وفعلاً اپنے اوپر حاکم بنالے اس کی بات ہمیشہ حکمت سے لبریز نکلے گی۔''

حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ نے خدا سے دُعا کرنا چاہی کہ گرسنگی و شہوت کی آفت سے ہمیشہ محفوظ رہیں کہ معاً انہیں یہ خیال آ گیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے ایسی دُعا نہیں کی تو میں کیوں کر

سکتا ہوں، یہ خیال کر کے وہ اس دعا سے باز رہے۔ اس احترامِ مرتبۂ رسالت ﷺ کا صلہ انہیں یہ ملا کہ عورت کی خواہش بالکل ہی ان کے دل سے جاتی رہی۔"

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ کا مقولہ تھا کہ

"خدا کو میں نے خدا ہی کے ذریعہ سے پہچانا اور باقی سب کو رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ سے۔"

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ فرماتے تھے کہ

"جس وجد کی شہادت کتاب اللہ وسنتِ رسول ﷺ نہ دیں وہ باطل ہے۔"

اور اسی کے قریب قول حضرت ابوعثمانی دارانی رحمۃ اللہ کا ہے۔

"حضرت شبلی رحمۃ اللہ مرض الموت میں مبتلا تھے، نزع کا وقت تھا، گویائی کی طاقت جواب دے چکی تھی، ایک خادم وضو کرا رہا تھا، ڈاڑھی میں خلال کرانا بھول گیا، حضرت شبلی رحمۃ اللہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر ڈاڑھی میں خلال کرایا کہ سنتِ رسول ﷺ کا کوئی جز فروگذاشت نہ ہونے پائے۔"

(صفحہ ۱۰۳ تا صفحہ ۱۰۴)

مسائلِ تصوف تمام تر کتاب اللہ وسنتِ رسول ﷺ سے مستنبط ہیں اس استنباط کا طریقہ اور اس کی کیفیت جو حضرت مؤلف نے بیان کی ہے، وہ اِس قابل ہے کہ یہاں اسے حرف بحرف نقل کر دیا جائے۔

المستنبطات ما استنبط اهل الفهم من المتحققين بالموافقة لكتاب الله عزوجل ظاهرًا باطنًا و المتابعة

لرسول اللّٰہ ﷺ ظاهراً و باطناً والعمل بها بظواهر هم و بواطنهم فلمّا عملوا بما عملوا من ذالك ودّثهم اللّٰه تعالیٰ علم مالم یعلموا و هو علم الاشارة و علم مواریث الاعمال التی یکشف اللّٰه تعالیٰ لقلوب اصفیائهٖ من المعانی المدخورة واللطائف و الاسرار المخزونة و غرائب العلوم و طرائف الحکم فی معانی القراٰن و معانی اخبار رسول اللّٰه ﷺ من حیث احوالهم و اوقاتهم و صفاء اذکارهم قال اللّٰه تعالیٰ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُراٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالها. و قَال النبی ﷺ من عمل بما علم ورثه اللّٰه تعالیٰ علم مالم یعلم و هو الذی لیس لغیرهم ذالك من اهل العلم واقفال القلوب ما یقع عَلَی القلوب من الصدأ لکثرة الذنوب و اتباع الهویٰ و محبة الدنیا و طول الغلۃ و شدة الحرص و حب الراحة و حب الثناء والمحمدة و غیر ذالك من الغفلات والزکات و المخالفة والخیانات فاذاکشف اللّٰه تعالٰی ذالك عن القلوب بصدق النوبة والندم علٰی الحوبة فقد فتح الا قفال عن التلوب واتته الزوائد والفوائد من الغیوب فیعبر عن زوائده و فوائده بترجمانه و هو اللسان الذی ینطق بغرائب الحکم و غرائب العلم فاذا اشرحوا هذه التقط المریدون و القاصدون والطالبون من تلك الجواهر بآذان واعیة و قلوب حاضرة فعاشوا وانتفعوا

بذالك وانعشوا.

(صفحہ ۱۰۵۔۱۰۶)

خلاصہ یہ ہے کہ استنباط کا حق ان محققین وارباب فہم کو پہنچتا ہے جو ظاہر و باطن ہر طرح کتاب اللہ، سنتِ رسول ﷺ کے متبع ہوتے ہیں یہ لوگ جب کچھ عرصہ تک اپنے علم و معلومات کے مطابق عمل کرتے رہتے ہیں تو خدا انہیں وہ علم بھی دے دیتا ہے جو پیشتر انہیں نہ تھا اور یہ علم انہی کے ساتھ مخصوص رہتا ہے اور ان کے نفوس میں تزکیہ اور قلوب میں جلا پیدا کرتا ہے اور کثرتِ معاصی و شہوات، حبِ جاہ، حرص، طمع، خود پسندی وغیرہ سے جو زنگ الواحِ قلب پر جما ہوتا ہے، وہ دُھل جاتا ہے، اس وقت اسرارِ غیب ان پر منکشف ہو جاتے ہیں، ان کی زبانیں حقائق عالیہ کی ترجمانی کرنے لگتی ہیں۔

اس کے بعد مصنف قرآن مجید کی اس آیت:

وَ اِذَا جَآءَ هُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ. وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ.

سے یہ لطیف استدلال کرتے ہیں کہ حقائق دین جاننے والے اولوالامر یا اہل علم ہیں اور ان کے طبقہ میں اہل استنباط کو ایک امتیازی خصوصیت حاصل ہے۔

اسوۂ رسول ﷺ کے بعد حضرات صوفیہ کے نزدیک سب سے مہتم بالشان اسوۂ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہے۔ کتاب اللمع کی کتاب الصحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ان کے اسی اعتقاد کی تفسیر ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عام مدح و تکریم کے بعد اس باب کی پہلی فصل کا آغاز حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات سے ہوتا ہے۔ جو ''اعظم اخوف واعظم الرجاء'' تھے یعنی خدا سے ڈرتے بھی بے حد تھے اور اس کی رحمت کے امیدوار بھی بے حد رہتے تھے، چناں چہ خود فرماتے تھے کہ اگر آسمان سے یہ ندا آئے کہ

لو نادٰی مناد من السمآء انه لن یلج الجنة الا رجل واحد ارجو ان اکون انا هو ولو نادٰی مناد من السمآء ان لا یدخل النار لا رجل واحد لخفت ان اکون انا هو.

''جنت میں بجز ایک شخص کے اور کوئی داخل نہ ہوگا تو مجھے رحمتِ باری سے اس قدر امید ہے کہ میں سمجھوں گا کہ وہ شخص واحد میں ہی ہوں، اسی طرح اگر آسمان سے یہ ندا آئے کہ بجز ایک شخص کے کوئی دوزخ میں نہ ڈالا جائے گا تو میں غضبِ الٰہی سے اس قدر ڈرتا ہوں کہ وہ شخص بھی اپنے ہی تئیں سمجھوں گا۔''

(صفحہ ۱۲۱)

حضرت ابوالعباس بن عطار رحمۃ اللہ سے جب آیۂ شریف کونوا ربانیین کے معنی دریافت کیے گئے تو انہوں نے کہا کہ

''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مانند ہو جاؤ۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی وہ شخص تھے جنہوں نے اپنا سارا مال واسباب لاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر کر دیا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اہل وعیال کے لیے کیا چھوڑا؟ برجستہ جواب دیا کہ ''خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو''

حضرت مؤلف لکھتے ہیں کہ

''یہ فقرہ توحید کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا اور سب سے پہلا صوفیانہ ارشاد تھا جو انسانی زبان سے ادا ہوا۔''

حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی سب سے بڑی خصوصیات، الہام وفراست تھیں، اسی طرح حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی نمایاں خصوصیات ترکِ شہوات، اجتنابِ شبہات

اور تمسک بالحق تھیں، حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی اہم خصوصیات، تمکین، ثبات و استقامت تھیں، جناب امیر (حضرت علی المرتضیٰ شیرِ خدا رضی اللہ عنہ) اکثر سلاسلِ تصوف کے شیخ الشیوخ ہیں آپ رضی اللہ عنہ علم لدنی کے سب سے بڑے حصہ دار تھے یہ وہی علم لدنی ہے جو حضرت خضر علیہ السلام کو عطا ہوا تھا، و علمناه من لدنا علمًا اور جس کی بنا پر حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر سے کہہ دیا تھا کہ آپ علیہ السلام صبر کے ساتھ میری رفاقت نہ کرسکیں گے۔

اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا.

(اور یہیں سے بعض لوگوں نے غلطی سے ولایت کو نبوت سے افضل قرار دے دیا ہے۔)

حضرت امیر (حضرت علی المرتضیٰ شیرِ خدا رضی اللہ عنہ) مراتبِ توحید، معرفت، ایمان، علم میں کامل ترین تھے اور ان اصحاب اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آثارِ قدم صوفیہ کے لیے دلیلِ راہ ہیں۔

خلفائے اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد قدرتاً اصحابِ صفہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ذکر آتا ہے جن کی زندگی کا ایک ایک جزئیہ طالبان طریقت کے لیے درسِ ہدایت رکھتا ہے یہ وہ مقدس گروہ تھا جو معاش دنیوی سے قطعاً بے پرواہو کر شب و روز شمعِ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد پروانہ وار نثار رہا کرتا تھا، جس کے پاس نہ کھانے کا سامان رہتا تھا نہ پہننے کا، نہ اوڑھنے کا اور جس کی زندگی تمام تر فقر و فاقہ، توکل و صبر، عشق و محبت کا ایک تسلسل تھی اس جماعت کی مدح میں متعدد آیاتِ قرآنی نازل ہوئی ہیں، مثلاً

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ.

(سورۂ بقرہ آیت ۲۷۳)

وَ لَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ.

(سورۃ انعام آیت ۵۲)

اس حصہ کی آخری فصل میں عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی پر متصوفانہ حیثیت سے نظر کی گئی ہے اوران کے اقوال وآثار کو صوفیہ کے لیے شمعِ ہدایت کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے، اصحابِ ذیل کے اسمائے مبارک اس حیثیت سے خصوصیت کے ساتھ قابلِ توجہ ہیں:

''حضرت سیّدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ، حضرت سیّدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت سیّدنا عمران بن حسین رضی اللہ عنہ، حضرت سیّدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، حضرت سیّدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ، حضرت سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ، حضرت سیّدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ، حضرت سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت سیّدنا ابراء بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت سیّدنا کعب احبار رضی اللہ عنہ، حضرت سیّدنا حارثہ رضی اللہ عنہ، حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت سیّدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ، حضرت سیّدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ، حضرت سیّدنا اُسامہ رضی اللہ عنہ، حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ، حضرت سیّدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ، حضرت سیّدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت سیّدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ، حضرت سیّدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ، حضرت سیّدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ۔''

مؤلف رحمہ اللہ نے اکابرِ صوفیا کے آداب ومعمولات بیان کر کے ضرورتِ مرشد پر بہت زور دیا ہے اوراس ضمن میں بعض بہت گہرے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

بہت سے مبتدیوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ مخالفتِ نفس حصولِ مقصد کے لیے کافی

ہے، چناں چہ وہ اپنی ذاتی رائے سے طرح طرح کے مجاہدات اپنے لیے اختیار کر لیتے ہیں، غذا بہت گھٹا دیتے ہیں لذیذ غذائیں بالکل ترک کر دیتے ہیں، پانی پینا چھوڑ دیتے ہیں، آبادی سے نکل کر صحرا میں رہنے لگتے ہیں وقس علیٰ ہذا، حضرت مؤلف رحمۃ اللہ کا ارشاد ہے کہ

> ''جب تک مرشد یا شیخ اس قسم کے احکام نہ دے ان چیزوں کو اختیار کر لینا قطعاً غیر مفید رہے گا، بلکہ مضرت ونقصان کا اندیشہ ہے، مثلاً ترکِ غذا کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان فرائض یومیہ، نمازِ پنجگانہ وغیرہ پوری طرح نہ ادا کر سکے گا، نفس امارہ کو زیر کرنا اتنا آسان نہیں کہ بغیر استاد کامل کی توجہ کے انسان تن تنہا یہ ہفتخوان طے کر سکے خود رائی کی تمام صورتیں اس راہ میں خطرۂ ہلاکت کی طرف لے جانے والی ہیں۔''

(صفحہ ۴۱۷۔۴۱۸)

ان سب اعمال ومجاہدات کے لیے مخصوص آداب وشرائط ہیں، بغیر ان کے قدم اٹھانا سخت نادانی ہے۔ سماع کی بحث گروہِ صوفیہ میں بڑی اہمیت رکھتی ہے، طریقت کے اس استادِ قدیم نے اس پر پوری تفصیل کے ساتھ اظہار خیال کیا ہے، اس سلسلہ میں انہوں نے سب سے پہلے حسن صوت کو لیا ہے اور اس کی مدح وتوصیف میں متعدد احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نقل کی ہیں مثلاً

۱۔ مابعث اللّٰہ نبیا الا حسن الصوت

۲۔ زیّنوا القران باصواتکم

۳۔ ما اذن اللّٰہ تعالیٰ لشیٔ کاذنہ لنبی حسن الصوت

۴۔ لقد اعطی ابو موسیٰ فرماراً من مزامیران داؤد لما اعطی من حسن الصوت

اس کے بعد سماع کے مختلف معانی، سماعِ شعر وغیرہ کا ذکر کیا ہے اور قدمائے

صوفیہ میں جو حضرات سماع کے شیدائیوں میں ہوئے ہیں مثلاً حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ، حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ، حضرت حضری رحمۃ اللہ وغیرہم۔ ان کے اقوال نقل کیے ہیں، آگے چل کر اباحتِ سماع عامہ کے عنوانات سے جو باب قائم کیا ہے، اس میں عید کے دن سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دف کے ساتھ گانا سننے کا حوالہ دیا ہے اور حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ و دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اشعار پڑھنے کا ذکر کیا ہے، حضرت سیّدنا مالک بن انس رضی اللہ عنہ، حضرت سیّدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما، حضرت سیّدنا عبداللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہما اور حضرت سیّدنا امام شافعی رحمۃ اللہ نے شعر کو ترنم کے ساتھ پڑھنے کو جائز رکھا ہے اور ان سب کی سندِ جواز سے فائدہ اٹھایا گیا ہے، سماع خاصہ کے ضمن میں سامعین کے تین طبقہ کیے ہیں:

۱۔ مبتدئین و مریدین

۲۔ متوسطین و صدیقین

۳۔ عارفین و اہل استقامت

اس کے بعد محقق مؤلف نے مسئلہ سماع کے مختلف پہلوؤں کو لیا ہے اور متعدد ابواب میں ہر پہلو پر تفصیلی نظر کی ہے جواز کے جو آداب و شرائط و قیود ہیں ان سے کسی حال میں اغماض نہیں برتا ہے آخری باب میں ان حضرات کے خیالات کی ترجمانی کی ہے جو جوازِ سماع کے منکر ہیں یا اس کی کراہت کے قائل ہیں ان چند ابواب کا مطالعہ موجودہ مشائخ کے لیے خاص طور پر سبق آموز ہو سکتا ہے۔

ان اقتباسات و تصریحات سے نوعیت کتاب کا اندازہ ہو گیا ہو گا اور متاخرین کے کتبِ ملفوظات و مناقب سے اس کا مقابلہ کرنے سے صاف نظر آ جائے گا کہ قدیم اسلامی تصوف اور موجودہ صوفیت میں کس قدر عظیم الشان فرق ہے۔

باب ۲

کشف المحجوب

(شیخ علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ)

عربی میں تصوف کی قدیم ترین معلوم کتاب کا نام کتاب اللمع ہے جس سے ہم پچھلی صحبت میں روشناس ہو چکے ہیں۔

فارسی میں تصوف کی قدیم ترین موجود کشف المحجوب ہے۔ کتاب اللمع آج سے چند سال قبل دنیا کے لیے معدوم تھی اور اب بھی مشرق کے لیے اس کا عدم، اس کے وجود سے کچھ ہی بہتر ہے، خوش قسمتی سے کشف المحجوب اس حجابِ گمنامی میں نہیں، ''داتا گنج بخش لاہوری رحمۃ اللہ'' کا نام اکثروں کی زبان پر ہے، صوبۂ پنجاب کے بکثرت گھرانے ان کی عقیدت کے مسکن ہیں، لاہور میں مدت ہوئی اصل فارسی نسخہ طبع ہو چکا ہے اور ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے، چند سال ہوئے سینٹ پیٹرس برگ یونیورسٹی (روس) کے پروفیسر چوکودوسکی کے زیر اہتمام اصل کتاب کے یورپ میں چھپنے کی اطلاع آئی تھی یہ سب کچھ ہے تاہم استفادہ کرنے والوں کا حلقہ اب بھی محدود ہے اور تصنیف و مصنف دونوں سے تعارف کرانے کی ضرورت باقی ہے۔

ا۔ مصنف

مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا پورا اسم گرامی ابوالحسن علی بن عثمان بن علی الغزنوی الجلابی اللاہوری ہے، ہندوستان میں عرف عام داتا گنج بخش مشہور ہے، وطن غزنین تھا، مضافاتِ غزنین میں ہجویر وجلاب دو قریہ ہیں دونوں میں قیام رہا، آخری عمر میں لاہور میں سکونت اختیار فرمائی تھی، یہیں انتقال فرمایا اور یہیں مدفون ہوئے۔ اس ساری نقل وحرکت کے اظہار کے لیے نام کے ساتھ غزنوی، جُلّابی ہجویری لاہور کا ضمیمہ لگا ہوا ہے۔

سیّد حسنی ہیں شجرۂ نسب بعض تذکروں میں یوں دیا ہے:

''حضرت سیّد علی رحمۃ اللہ علیہ بن سیّد عثمان رحمۃ اللہ علیہ بن سیّد علی رحمۃ اللہ علیہ بن سیّد عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ بن سیّد شاہ شجاع رحمۃ اللہ علیہ بن ابوالحسن سیّد علی رحمۃ اللہ علیہ بن سیّد حسن اصغر رحمۃ اللہ علیہ بن سیّد زید شہید رضی اللہ عنہ بن سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ بن سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔

بیعت شیخ ابوالفضل بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ سے تھی جو شیخ ابوالحسن حُصری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے شجرۂ طریقت سیّد الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے، متعدد دیگر مشائخ کبار سے بھی استفادہ کیا تھا کشف المحجوب میں جا بجا ان حضرات کا ذکر کرتے ہیں اور اپنے ان کے تعلقات پر روشنی بھی ڈالتے جاتے ہیں۔ مثلاً امام ابوالعباس احمد اشقانی کے تذکرہ میں کہتے ہیں:

''مرا بادے انسے عظیم بود، وے را بر من شفقتِ صادق و اندر بعضے علوم استادِ من بود''

(کشف المحجوب، مطبوعہ لاہور صفحہ ۱۲۱)

شیخ ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ اور اپنے تعلقات کے تذکرہ میں ایک دلچسپ واقعہ تحریر

فرماتے ہیں:

''روزے من اندر پیش شیخ نشستہ بودم واحوال ہا ونمود ہائے خود را بر می شمردم و بہ حکم آنکہ روزگار خود بروے سرہ① (؟) کنم کہ ناقدِ وقت است ووے بہ کرامتے آن از من می شنید ومرا نخوتِ کودکی وآتش جوانی بر گفتار آن حریص می گردد خاطرے صورت می بست کہ مگر ایں پیر را در ابتدا دریں کوے گزرے نہ بودہ است کہ چندیں خضوع میکند، اندر حقِ من، دینازی نماید اندر باطن من آن بدید وگفت اے دوست پدر (؟) بدانکہ ایں خضوع من نہ ترا و یا حال تر است کہ محول احوال بر محل محال آید (؟) بلکہ ایں خضوع من محول احوال را می کنم و ایں عام باشد مر ہمہ طلاب را نہ خاص ترا چون بشنیدم، از دست بیفتادم ووے اندر من بدید وگفت اے پسر آدمی را بہ ایں طریقت نسبت بیش ازاں نبود کہ چون وی را بہ طریقت، باز بندند، پندار یافت آن بگر دانندش چون از آن معزول کنندش بہ عبارت پندارش برسد پس نفی واثبات فقد وجود وے ہر دو پندار باشد وآدمی ہرگز از پندِ پندار نہ دہد، وے را باید کہ درگاہ بندگی گیرد، و جملہ نسبتہا را از کو دفع کند بجز نسبت مردمی وفرمان برداری، واز بعد آن مرا بادے اسرار بسیار نبود اگر بہ اظہار آیات وے مشغول گردم از مقصود بمانم۔''

(ایضاً صفحہ ۱۲۲)

① فارسی مطبوعہ نسخہ اغلاط سے اس قدر لبریز ہے کہ بعض مقامات پر مطلب خبط ہو گیا ہے جو الفاظ راقم سطور کی سمجھ میں پوری طور پر نہیں آئے، انہیں بجنسہ نقل کر کے اور انہیں زیر خط کر کے آگے قوسین میں علامت استفہام بنا دی گئی ہے اس طرح (؟) جہاں کہیں فقرہ نہیں چل سکا ہے وہاں پورے فقرہ کو زیر خط کر کے اس کے آگے اسی قسم کی علامت بنا دی ہے۔

ایک جگہ خواجہ ابواحمد مظفر سے اپنی ملاقات کا حال لکھا ہے وہ بھی اربابِ ذوق کے لیے اسی قدر دلچسپ ہے:

''روزے من اندر گرمائے گرم نہ نزدیک وے واندر آدم با جامۂ راہ وژدلیدہ موئے مرا گفت یا اباالحسن ارادت عالی مرا گوئے تا چیست، گفتم مرا سماع می باید، اندر حال کسے فرستاد، تا قوالی بیاد ورند جماعتے رااز اہل عشرت وآتش کودکی وقوت ارادت وحرکت ابتدامرا اندر سماع کلمات مضطرب کرد چون زمانہ برآمد وسلطان وغلیان آن آفت اندر من کمتر شد، مرا گفت چگونہ بود، مرا ترا باین سماع گفتم ایہا الشیخ سخت خوش بودم گفت وقتے بیاید کہ ایں وبانگ کلاغ ہر دومر ترا یکسان شود، قوت سماع آنگاہ بود کہ مشاہدہ نہ باشد، چوں مشاہدہ حاصل آید ولایت سمع ناچیز شود، ذکر؟ تا ایں را عادت نہ کنی تا طبیعت نہ شود، دبا زبدان بمانی۔''

(ایضاً صفحہ ۱۲۳)

اسی طرح سلطان ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ، شیخ ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ وغیرہ دیگر مشاہیر صوفیہ سے اپنی ملاقات کے تذکرے لکھے ہیں۔

''حنفی المذہب تھے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ سے خاص عقیدت تھی، ان کا نام ''امام امامان ومقتدائے سنیان شرفِ فقہا وغرِ علما'' کی حیثیت سے لیا ہے اوران کے کمالات کا بیان تفصیل سے کیا ہے۔''

(صفحہ ۶۶/۶۹)

اس ضمن میں اپنا ایک خواب بھی تحریر فرماتے ہیں جس کا اقتباس لطف اور نفع سے خالی نہ ہوگا فرماتے ہیں کہ

''میں ملک شام میں تھا، ایک مرتبہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ مؤذن کے مزار کے سرہانے سو گیا، خواب میں دیکھتا ہوں کہ مکہ میں حاضر ہوں اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باب بنی شیبہ سے اندر داخل ہو رہے ہیں اور جس طرح کوئی کسی بچہ کو گود میں لیے ہو ایک عمر رسیدہ شخص کو گود میں لیے ہوئے ہیں میں دوڑتا ہوا حضور میں پہنچا، پائے اقدس کو بوسہ دیا اور دل میں سوچنے لگا کہ یہ مردِ عمر رسیدہ کون ہیں؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میرے خطرۂ قلب پر اطلاع ہو گئی، ارشاد ہوا کہ یہ شخص تیرا اور تیری قوم کا امام ہے، یعنی ابوحنیفہ رحمۃ اللہ، اس خواب سے مجھے اپنے اور اپنی قوم کے حق میں بہت کچھ امیدیں ہو گئیں اور اس خواب سے مجھ پر یہ بھی منکشف ہو گیا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ ان لوگوں میں ہیں جو اپنے صفات ذاتی سے فانی ہو چکے ہیں اور محض احکامِ شرع کے لیے باقی ہیں، اس لیے کہ ان کے حامل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے اگر میں انہیں خود چلتے ہوئے دیکھتا تو معلوم ہوتا کہ وہ باقی الصفت ہیں اور باقی الصفت کے لیے خطا وصواب دونوں کا امکان ہے، لیکن چوں کہ انہیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود میں دیکھا، اس سے معلوم ہوا کہ ان کا وجود ذاتی فنا ہو چکا ہے اور اب جو ان کا وجود قائم ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود سے قائم ہے اور چوں کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کس طرح کی خطا کا امکان نہیں اس لیے جس کا وجود ان میں فانی ہو چکا ہے وہ بھی امکانِ خطا سے پاک ہے۔''

(ایضاً صفحہ ۶۸، ۶۹)

سفر و سیاحت میں اکثر رہا کرتے تھے، شام سے لے کر ترکستان اور ساحل سندھ

سے لے کر بحر قزوین تک یعنی اپنے زمانہ کی تقریباً ساری اسلامی علمداری کی سیاحی کا ذکر کیا ہے، آذربائیجان، بسطام، دمشق، رملہ، ہیئت الجن، طوس، مہنہ اور جبل السلام کے نام اپنے سفر ناموں کے ذیل میں تصریح کے ساتھ لیے ہیں ایک مرتبہ دورانِ قیام عراق میں معلوم ہوتا ہے کہ دولت بہت جمع ہوگئی تھی اور اسراف سے قرض داری کی نوبت آگئی تھی فرماتے ہیں:

''وقتے من اندر دیار عراق اندر طلب دنیا و فنا کردن آں تاباکے میکردم(؟) ودام بسیار بر آمدہ بود وحشویہ ہر کسے را کہ بایستے بودے(؟) روئے بہ من آوردہ بودند، ومن در رنج حصول برائے شان ماندہ بودم۔''

(ایضاً صفحہ ۲۶۸)

عرصہ تک پریشانی رہی بالآخر ایک درویش کی موعظت کے اثر سے فراغت نصیب ہوئی۔ قیدِ ازدواج سے ہمیشہ آزادی رہی، البتہ ایک مقام پر آپ بیتی یوں بیان کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید ایک مرتبہ کسی کے خدنگِ نظر سے بسمل ہو گئے تھے اور ایک سال تک اس زخم کی تڑپ نے بے تاب رکھا، لیکن بالآخر فضلِ ایزدی نے زخم کا مرہم بھی پیدا کر دیا، عبارت اس قدر مبہم ہے کہ تفصیلات کا پتہ بالکل نہیں چلتا۔

''من کہ علی بن عثمان الجلابی ام از پس آنکہ مراحق تعالیٰ یازدہ سال از آفتِ تزویج نگاہ داشتہ بود ہم تقدیر کرد تابفتنہ اندر افتادم وظاہر و باطنم اسیر صفتے باشد کہ بامن کہ کردند(؟) بے آنکہ رویت بودہ، ویکسال مستغرقِ آن بودم چناں چہ نزدیک بود کہ وین برمن تباہ شود تاحق تعالیٰ بکمال لطف وتمام فضل خود عصمت را بہ استقبال دل بیچارۂ من فرستاد، وبہ رحمت خلاصی ارزانی داشت۔''

صفحہ ۲۸۵)

استعداد علمی) کی تفصیل کسی تذکرہ میں درج نہیں لیکن کشف المحجوب کی تصنیف خود اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ اس کا مصنف علوم ظاہری پر وسیع نظر رکھتا ہے بعض تذکروں میں اجمالاً صرف اس قدر ہے ''جامع بود بیان علوم ظاہر و باطن'' اور یہ یقیناً صحیح ہے۔

بعض تذکروں میں ہے کہ لاہور اپنے پیر و مرشد کے حکم سے آئے اور حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاؒ کے ایک ملفوظ میں تو ورود لاہور کی تفصیل بھی ملتی ہے فوائد الفواد میں ہے کہ

> ''حضرت علی ہجویریؒ اور حضرت شیخ حسین زنجانیؒ دونوں ایک ہی مرشد سے بیعت رکھتے تھے، شیخ حسن زنجانیؒ عرصہ سے لاہور میں سکونت رکھتے تھے، ایک روز شیخ علی ہجویریؒ کو مرشد کا حکم ملا کہ لاہور میں سکونت اختیار کرو، عرض کیا کہ وہاں تو شیخ حسینؒ پیشتر سے موجود ہیں، مکرر ارشاد ہوا کہ تم جاؤ، تعمیل کی، شب میں لاہور پہنچے اسی شب میں شیخ حسینؒ نے انتقال فرمایا اور صبح ان کا جنازہ اٹھایا گیا۔①''

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ لاہور کو مرشد کے حکم سے اپنا مسکن بنایا تھا لیکن خود کشف المحجوب کی عبارت سے کچھ ایسا مترشح ہوتا ہے کہ لاہور کا قیام مرضی کے خلاف کسی مجبوری سے تھا فرماتے ہیں کہ

> ''کتب من بہ حضرت غزنین ماندہ بود، و من اندر دیار ہند از بلدۂ لاہور کہ از مضافاتِ ملتان ست درمیان ناجنسان گرفتار شدہ بودم۔''

(صفحہ ۶۵)

''میری کتابیں غزنین میں چھوٹ گئی ہیں اور میں ہندوستان میں شہر

---

① فوائد الفواد، مرتبہ امیر حسن علاء سنجریؒ صفحہ ۳۵ (مطبوعہ نولکشور)

لاہور میں ناجنسوں کے درمیان گرفتار ہوں۔''

اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا کہ ''گرفتاری'' کا لفظ فقرۂ بالا میں مجازاً استعمال کیا ہے یا حقیقتاً۔

عام لقب جو گنج بخش مشہور ہے اس کی بابت یہ روایت ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ نے آپ رحمۃ اللہ کے مزار پر آ کر چلہ کیا اور اکتسابِ فیوض و برکات کے بعد رخصت ہونے لگے تو مزار کے رخ کھڑے ہو کر یہ شعر پڑھا:

گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل، کاملاں را رہنما

اسی وقت سے گنج بخش کا لفظ عام زبان پر چڑھ گیا۔①

سن وفات کے متعلق اختلاف ہے، صاحب نفحات الانس خاموش ہیں، صاحب سفینۃ الاولیاء نے دو روایتیں دی ہیں، ایک ۴۵۶ھ اور دوسری ۴۶۴ھ کی بابت②، آزاد بلگرامی نے ایک ضمنی موقع پیر ۴۶۵ھ درج کیا ہے۔③

نکلسن کا قیاس ہے کہ ۴۶۵ھ و ۴۶۹ھ کے درمیان وفات ہوئی۔④

مزار پر جو قطع تاریخ کندہ ہے اس سے بھی ۴۶۵ھ نکلتا ہے۔ راقم سطور کے نزدیک اسی کو ترجیح ہے، مزار شہر لاہور کے باہر سمت غرب میں واقع ہے، ہر جمعرات و جمعہ کو زائروں اور حاجت مندوں کا ہجوم رہتا ہے، عام عقیدہ یہ ہے کہ چالیس روز متصل یا چالیس شبہائے جمعہ کو مزار پر حاضری دینے سے ہر مشکل آسان اور ہر حاجت روا ہو جاتی ہے۔⑤

---

① خزینۃ الاصفیاء غلام سرور لاہوری جلد دوم ۲۳۴

② سفینۃ الاولیاء صفحہ ۱۶۰ یا ۱۶۰

③ ماثر الکرام (نسخہ شائع کردہ عبداللہ خان، حیدر آباد دکن)

④ مقدمہ ترجمہ انگریزی، کشف المحجوب

⑤ سفینۃ الاولیاء صفحہ ۱۶۵

اس قدر یقینی ہے کہ تصوف پر متعدد کتابیں تصنیف کیں، لیکن آج ان تصانیف کا وجود تو الگ رہا، ان کے نام تک کسی تذکرہ میں محفوظ نہیں، صاحبِ سفینۃ الاولیاء اس سے زائد نہ لکھ سکے کہ

''حضرت پیر علی ہجویری رحمۃ اللہ را تصانیف بسیار است''

البتہ خود کشف المحجوب میں مصنف نے جا بجا اپنی دوسری تصانیف کے حوالے دیے ہیں، ان عبارتوں کے یکجا کرنے سے تصانیف ذیل کا پتہ چلتا ہے۔ ممکن ہے کہ ان کے علاوہ کچھ اور بھی ہوں اس قدر تو بہر حال قطعی تھیں۔

نمبر شمار	نام کتاب	عبارت کشف المحجوب
۱	''دیوان''	یکے آنکہ دیوان شعرم کسے بہ خواست (صفحہ۱)
۲	''منہاج الدین''	دیگر کتابے تالیف کردم اندر طریق تصوف نامِ آن منہاج الدین (صفحہ۱) نیز پیش ازیں کتابے ساختہ ام مرآن را منہاج الدین نام کردہ اندر روے مناقب (اہل صفہ) یک یک بہ تفصیل آوردہ صفحہ۵، ''نیز اندر کتابے کہ کردہ ام بجز ایں منہاج نام'' (صفحہ۱۱۱)
۳	''کتاب الفناء والبقاء''	''مارا الذین جنس سخن استہ کتابے فنا و بقا (صفحہ۲۱)
۴	''اسرار الخرق والمؤنات''	مرا اندر بن باب کتابے است مفرد کہ نام آن اسرار الخرق والمؤنات ست'' (صفحہ۳۰)
۵	''کتاب البیان لاہل العیان''	''من اندرین معنی تا حال ہدایت کتابے ساختہ ام و آن را کتاب البیان لاہل العیان نام کردہ شد۔'' (صفحہ۱۹۵)

۶	''بحر القلوب''	''اندر بحر القلوب اندر باب جمع فصولے گفتہ ام'' (صفحہ ۱۹۵)
۷	''الرعایۃ لحقوق اللہ''	''طالب این علم را این مسئلہ از کتاب دیگر باید طلبید کہ کردہ ام وآن را الرعایۃ لحقوق اللہ نام کردہ۔'' (صفحہ ۲۱۱)

ذیل کی عبارتوں میں دو کتابوں کے حوالے اور آتے ہیں، خدا معلوم اِن سے مراد کتب بالا ہی ہیں یا یہ تصانیف ان کے علاوہ ہیں، نکلسن کا خیال ہے کہ یہ علاحدہ تصانیف ہیں، اس حساب سے دو کتابوں کا اور اضافہ سمجھنا چاہیے۔

۸۔ ''پیش ازیں اندر شرح کلام وے (منصور حلاّج) کتابے ساختہ ام۔''

(صفحہ ۱۱۱)

۹۔ ''من اندر بیان این (ایمان) کتابے کردہ جداگانہ۔''

(صفحہ ۲۱۵)

آج یہ سب کتابیں عنقا ہیں۔

مخدوم موصوف رحمۃ اللہ کے مرتبۂ کمال کا اعتراف سب کو رہا ہے، خواجۂ خواجگان حضرت معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ اور شیخ المشائخ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ جیسے مسلم اکابر نے آپ رحمۃ اللہ کے مزار پر چلہ کھینچے ہیں اور فیوض و برکات حاصل کیے ہیں، چناں چہ دونوں حضرات کے مکانات چلہ کشی اب تک موجود و محفوظ ہیں، ملا جامی رحمۃ اللہ ان الفاظ میں تصنیف و مصنف کی جلالتِ قدر کا اعتراف کرتے ہیں:

''عالم و عارف بود.............وصحبت بسیارے از مشائخ دیگر رسیدہ است، صاحب کتاب کشف المحجوب است، کہ از کتب معتبرہ

مشہور درین فن است ولطائف وحقائق بسیار درآن کتاب جمع کرده
است۔''①

شاہزادہ داراشکوہ کے نزدیک فارسی زبان میں تصوف پر کوئی کتاب کشف المحجوب کے ٹکر کی نہیں:

''خانوادۂ ایشان خانوادۂ زہد وتقویٰ بوده، حضرت پیر علی ہجویری رحمۃ اللہ را تصانیف بسیار است اما کشف المحجوب مشہور ومعروف است وہیچکس را براں سخن نیست ومرشدے است کامل اور کتب تصوف بہ خوبی آن درزبان فارسی تصنیف نہ شده وخوارق وکرامات زیاده ازحد ونہایت دیارہا برقدم تجرید وتوکل سفر کرده اند۔②

سب سے بڑھ کر قابلِ اسناد وقابلِ افتخار قول حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ کا ہے آپ رحمۃ اللہ کا ارشاد تھا کہ

''جس کا کوئی مرشد نہ ہو، اس کو کشف المحجوب کے مطالعہ کی برکت سے مل جائے گا''

آپ رحمۃ اللہ کے ایک غیر مطبوع ملفوظ دُررِ نظامی میں ہے:

''ومی فرمودند کشف المحجوب از تصنیف شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ است، قدس اللہ روحہ العزیز، اگر کسے را پیرے نہ باشد، چون این کتاب را مطالعہ کند اورا (راہ) پیدا شود...... من این کتاب را بہ تمام مطالعہ کرده ام۔''③

مخدوم موصوف کی اِس کرامت کا ذکر متعدد تذکروں میں ہے کہ لاہور میں

① نفحات الانس، جامی رحمۃ اللہ صفحہ ۳۵ (مطبوعہ کلکتہ)

② سفینۃ الاولیاء، داراشکوہ صفحہ ۱۶۴

③ درر نظامی مرتبہ شیخ علی محمود جاندار نسخہ قلمی مملوکہ سید علیم الدین خادم درگاہ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ دہلی

آپ رحمۃ اللہ نے جو مسجد تعمیر کرائی تھی، اس کی محراب میں بمقابلہ دوسری مساجد کے سمت جنوب میں ذرا کجی تھی علمائے وقت نے اعتراض کیا کہ سمت قبلہ قائم نہیں رہی، آپ رحمۃ اللہ نے ایک روز سب کو جمع کر کے خود نماز پڑھائی، اس کے بعد حاضرین سے کہا کہ

''خود دیکھ لو کعبہ کدھر ہے؟''

حجابات اُٹھ گئے، سب نے دیکھا کہ بیت اللہ مسجد کے ٹھیک مقابل ہے۔

سبحان اللہ!!

۲۔ تصنیف

کشف المحجوب تصوف کی قدیم ترین کتابوں میں ہے اور فارسی زبان میں تو اس سے قدیم تر کسی کتابِ تصوف کا راقم سطور کو علم نہیں، مصنف رحمۃ اللہ اس میں اپنی متعدد ابتدائی کتابوں اور اپنی سکونتِ لاہور کا ذکر کرتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کی تصنیف آخر عمر میں فرمائی ہے یعنی پانچویں صدی ہجری کے وسط میں اس کتاب کے تقریباً ہم عمر امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ کا عربی رسالہ قشیریہ ہے۔ موضوع اس کا بھی تصوف ہی ہے، لیکن دونوں کے طرزِ تصنیف میں فرق یہ ہے کہ امام موصوف نے زیادہ تر متقدمین کے اقوال و حکایات کے نقل کر دینے پر اکتفا کی ہے بہ خلاف اس کے مخدوم ہجویری رحمۃ اللہ ایک محققانہ و مجتہدانہ انداز سے اپنے ذاتی تجربات، واردات، مکاشفات و مجاہدات وغیرہ کو بھی قلمبند کرتے جاتے ہیں اور مباحثِ سلوک پر ردوقدح کرنے میں بھی تامل نہیں کرتے، ان کی کتاب کی حیثیت محض ایک مجموعۂ حکایات و روایات کی نہیں بلکہ ایک مستند محققانہ تصنیف کی ہے۔

صورتِ تصنیف یہ ہے کہ کوئی صاحب ابوسعید نامی فرضی یا واقعی سائل ہیں انہوں نے حضرت مخدوم کی خدمت میں عرض کی ہے کہ

''بیان کن مرا اندر تحقیق طریقت تصوف و کیفیتِ مقاماتِ ایشان و
بیانِ مذاہب و مقالاتِ آن اظہار کن مرا رموز و اشارات ایشان و
چگونگیٔ محبت خدائے عز و جل و کیفیتِ اظہار آن بر دلہا و سببِ حجاب
عقول از کنہ ماہیت آن و نفرت نفس از حقیقت آن و آرامِ روح
با صفوت آن، و آنچہ بدین تعلق دار داز معاملت آن۔''

(صفحہ ٦)

ساری کتاب اسی سوال کے جواب اور انہیں کے مراتب کی تفصیل میں ہے۔
مضامین و تصانیف کے سرقہ میں معلوم ہوتا ہے، اس وقت کے لوگ بہت جری اور بے باک تھے مصنف کو دو بار ان لوگوں کے ہاتھوں تلخ تجربات اٹھانے پڑے، ایک مرتبہ کسی صاحب نے مسودۂ دیوان مصنف سے مستعار لیا اور واپس کرنے کے بجائے اپنے نام و تخلص کے ساتھ اس کی اشاعت شروع کر دی، دوسری بار یہ اتفاق ہوا کہ ان کی ایک تصنیف فن سلوک میں منہاج الدین کے نام سے تھی، اسے کوئی شخص اڑا لے گیا، ان کا نام کاٹ کر عنوان پر اپنا نام لکھ دیا اور اس کی تصنیف کو اپنی جانب منسوب کرنا شروع کر دیا۔
کشف المحجوب کی تصنیف ان تصنیفات کے بعد کی ہے اس کے آغاز میں اسمِ مصنف کی تصریح ضروری تھی، ان حالات کا ذکر ابتدائے سخن میں خود ہی فرمایا ہے:

''آنچہ اندر ابتدائے کتاب نام خود ثبت کردم مراد اندر آن دو چیز بود
یکے نصیب خاص و دیگر نصیب عام و آنچہ نصیب عام بود آن است
کہ چوں جملہ این علم کتابے بنیند نو کہ مصنف آن بچند جاے ثبت
نسبت آن کتاب بخود کنند و مقصود مصنف از آن بر ینا ید کہ مراد از جمع
و تالیف و تصنیف کردن بجز آں نہ باشد کہ نام مصنف بداں کتاب
زندہ باشد و خوانندگان و متعلمان وے را دعائے نیکو کنند کہ مرا ازیں

حادثہ افتادو بدوبار، یکے آنکہ دیوان شعرم کسے بخواست و باز گرفت و
اصل نسخہ جز آن جملہ را بگردانید و نام من از سرِ آن بیفکند و رنج من
ضائع گردانید، تاب اللہ علیہ و دیگر کتابے تالیف کردم اندر طریق
تصوف عمرہ اللہ نام آن منہاج الدین یکے از مدعیان رکیک کہ گرامی
گفتار نام او نکند نام من از سر آن پاک کردو نزد یک عوام چنان نمود کہ
آن وے کردہ است ہر چند خواص بر آن قول وے خندیدندے تا
خداوند تعالیٰ بے برکتی آن بدو رسانید، نامش از دیوان طلاب درگاہ
خود پاک گردانید۔''

(صفحہ ۲۰۱)

اس سرقہ سے اِس قدر خائف تھے کہ اسی ایک تصریح پر اکتفا نہیں کی ہے بلکہ درمیان کتاب میں بار بار اپنے پورے نام کی صریح فرماتے گئے ہیں۔

لاہور کا جو مطبوعہ نسخہ پیش نظر ہے اس کا ہر صفحہ اغلاطِ طبع و کتابت سے لبریز ہے بعض مقامات پر عبارت بے معنی ہو گئی ہے، بعض مقامات پر حضرت مصنف کے بالکل خلاف منشا معنی نکلتے ہیں اور اس سے بڑھ کر ستم یہ ہے کہ اکثر مقامات پر اشخاص و مقامات کے نام بالکل مسخ ہو گئے ہیں جن کی تصحیح کی کوئی صورت نہیں، دوسرا تکلیف دہ امر اس نسخہ میں یہ ہے کہ کسی قسم کی فہرستِ مضامین وغیرہ درج نہیں، کتاب متعدد ابواب و فصول میں منقسم ہے، ہر باب و فصل کے الگ الگ پیراگراف (بند) ہیں لیکن کاتب صاحب نے بائے بسم اللہ سے لے کر تائے تمت تک ۳۲۸ صفحہ کی کتاب کا یکساں قلم رکھا ہے، نہ کہیں کوئی پیراگراف (بند) توڑا ہے نہ ایک باب و فصل کے اختتام اور دوسرے کے آغاز کو کوئی نمایاں امتیاز دیا ہے، راقمِ سطور نے بطور خود ایک فہرستِ مضامین اور بعض دوسری فہرستیں مرتب کی ہیں جن کی مدد سے ناظرین کے ہمراہ کتاب پر ایک سرسری نظر کرتا ہے۔

شروع کے چھ صفحے (۲۔۸) بطور مقدمہ یا تمہید کے ہیں جس میں سبب تالیف موضوعِ سخن وغیرہ کی تصریح کی ہے، اس کے بعد ترتیب مضامین حسب ذیل ہے:

ا۔ باب اول فی اثبات العلم (صفحہ ۸۔۱۴)

اس میں علم کی ماہیت اس کے فضائل اور اس کے اقسام کا بیان ہے، مشہور صوفی حاتم اصم رحمۃ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ

"حاتم الاصم گفت رضی اللہ عنہ کہ چہار علم اختیار کردم واز ہمہ علمہائے علام برستم............ یکے آنکہ بدانستم کہ مرارزقے است مقسوم کہ زیادت وکم نہ شود از طلب زیادت برآسودم ودیگر آنکہ بدانستم کہ خدائے رابر من حقے بیت کہ جز من کسے دیگر نہ تواند گزارد و بہ ادائے آں مشغول گشتم دیگر آنکہ دانستم کہ مراطالبے ست یعنی مرگ کے از و نہ توانم گریخت آں راشناختم وچہارم آنکہ دانستم کہ مراخداوندے ست مطلع برمن از دے داشتم واز ناکردنی دست باز داشتم۔"

(صفحہ ۱۰)

"تمام علومِ عالم میں سے میں نے چار چیزوں کا علم حاصل کرلیا، باقی علوم سے بے نیاز ہوگیا............ اوّل یہ کہ رزق کی ایک مقدار مقسوم ہے جس میں کمی بیشی نہیں ہوسکتی، اس لیے اس میں اضافہ کی طلبگاری سے نجات پا گیا ہوں، دوسرے یہ کہ خدا کی جانب سے میرے اوپر جو حقوق عائد ہیں ان کی بجا آوری میرے ہی ذمہ فرض ہے، اس لیے ان کی ادائیگی میں مشغول رہتا ہوں تیسرے یہ کہ میرے تعاقب میں موت لگی ہوئی ہے جس سے کسی طرح گریز ممکن نہیں، اس لیے

اس سے ملنے کی تیاری کرتا رہتا ہوں، چوتھے یہ علم ہے کہ خدا میرے
حال کو دیکھتا رہتا ہے اس سے شرم کرتا رہتا ہوں اور ممنوعات سے بچتا
رہتا ہوں۔"

علم صحیح کے لیے علم ظاہر (شریعت) و علم باطن (حقیقت) کی جامعیت ضروری ہے، صرف ایک کا وجود طالب کے لیے مضر ہوگا۔

"ظاہر ورزش معاملت و باطنش تصحیح نیت و قیام ہر یک ازین بے
دیگرے محال باشد ظاہر بے حقیقت باطن نفاق بود و باطن بے ظاہر
زندقہ و ظاہر شریعت بے باطن نقص بود و باطن بے ظاہر ہوس پس علم
حقیقت راسہ رکن است یکے علمِ بذات خداوند تعالیٰ وحدانیت وی و
نفی تشبیہ از وے و دیگر علم بہ صفات خداوند تعالیٰ و احکام آں و سہ دیگر
علم بہ افعال و حکمت وے و علم شریعت را نیز سہ رکن است، یکے
کتاب دیگر سنت و سہ دیگر اجماع امت۔"

(صفحہ ۱۰)

"ظاہر بغیر امتزاجِ باطن کے نفاق ہے اور باطن بغیر امتزاج ظاہر
کے زندقہ شریعت بلا حقیقت نقص اور حقیقت بلا شریعت ہوس، علم
حقیقت کے تین ارکان ہیں۔ (۱) علم ذات و توحید و نفی تشبیہ
خداوندی، (۲) علم صفات و احکام خداوندی اور (۳) علم افعال و
حکمت افعال خداوندی، علم شریعت کے بھی یہ تین رکن ہیں قرآن،
سنتِ رسول ﷺ و اجماعِ اُمت۔"

علم ذات خداوندی کی تعلیم اس قسم کی آیاتِ قرآنی میں بہ کثرت ملتی ہے،

۱۔ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ.

۲۔ واعلموا ان للّٰہ ھو مولٰکم.

۳۔ اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ.

۴۔ اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ.

۵۔ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ.

نیز اس قسم کی احادیث نبوی ﷺ میں کہ

من علم اَنَّ اللّٰہ تعالٰی ربہ و انی نبیہ حرم اللّٰہ تعالٰی لحمہ و دمہ علی النار.

۲۔ علمِ صفات خداوندی کی جانب رہبری اس قسم کی آیاتِ قرآنی کرتی ہیں:

۱۔ اِنَّہٗ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ.

۲۔ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ.

۳۔ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ.

۴۔ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ.

۵۔ ھُوَ الْحَیُّ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ.

و قس عَلٰی ھذا!!

۳۔ علم افعال خداوندی کے بابت اس قسم کی آیات قرآنی میں اشارہ ہے:

۱۔ وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ.

۲۔ اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ.

و قس علٰی ھذا.

علم شریعت کے رکن اول، کتاب اللہ سے اعتصام کی دلیل یہ ارشادِ حق تعالیٰ ہے:

فیہ ایاتٌ محکماتٌ ھنَّ ام الکتاب.

رکن دوم سنتِ نبوی ﷺ کی شاہد عادل یہ فرمان ربانی ہے:

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَھُوْا.

رکن سوم اجماعِ امت کی دستاویز استناد یہ ارشادِ حضرت رسالت مآب ﷺ ہے:

لا یجتمع امتی عَلٰی الضلالۃ علیکم بالسواد الاعظم.

علم (بہ شمولِ علم شریعت) کی اہمیت پر جتنا زور دیا ہے، اس کا مزید اندازہ اقتباسِ ذیل سے ہوگا۔

"محمد بن فضل البلخی گوید رحمۃ اللہ العلوم ثلثۃ علم من اللہ وعلم مع اللہ وعلم باللہ علم باللہ علم معرفت بود کہ ہمہ انبیا و اولیا بدو دانستہ اند و تا تعریف و تعرف وے نبود ایشان درا ندانستند، علم من اللہ علمِ شریعت بود کہ آن از روے بما فرمان و تکلیف است و علم مع اللہ علم مقامات وطریق حق و بیان درجاتِ اولیا است پس معرفت بے پذیر شریعت درست نیاید و ورزش شریعت بے اظہار مقامات راست نیاید.......... ہر کرا علم معرفت نیست دلش بجہل مردہ است و ہر کرا علم شریعت نیست دلش بہ نادانی بیمار است۔"

(صفحہ ۱۲)

"محمد بن فضل بلخی رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ علم کی تین قسمیں ہیں، (۱) علم من اللہ، (۲) علم مع اللہ، (۳) علم باللہ، علم باللہ، علم معرفت ہے کہ انبیا و اولیا نے اسی ذریعہ سے معرفتِ باری حاصل کی ہے اور بغیر اس کے انہیں معرفت حاصل نہ ہوسکی (یہ علم اکتساب سے نہیں آتا) علم من اللہ علم شریعت ہے، یعنی احکام الٰہی و فرائض عبدیت کا علم، علم مع اللہ علم مقامات طریقت و درجات اولیا کا نام ہے۔ معرفت بغیر علم شریعت کے قبول کیے درست نہیں ہوسکتی اور شریعت پر عمل بغیر

مقامات اس کے ممکن نہیں؛ جس کو علم معرفت نہیں اس کے قلب پر
جہل کی موت طاری ہے اور جسے علم شریعت نہیں اس کا قلب مرض
نادانی میں گرفتار ہے۔"

اسی تعلیم کی تائید میں بایزید بسطامی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ
"میں نے تیس سال تک مجاہدات کیے لیکن کسی مجاہدہ کو علم و تحصیلِ علم
سے صعب تر نہیں پایا۔"

(علمت فی المجاهدة ثلثین سنة فما وجدت شیئا اشد علیّ مِن العلم و متابعته)

اور خود مرشد ہجویری رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ
"طبع انسانی کے لیے آگ پر چلنا راہِ علم پر چلنے سے آسان تر ہے اور
ایک جاہل کے لیے پُل صراط پر ہزار بار گزرنا اس سے آسان ہے کہ
علم کا ایک مسئلہ حل کرے۔"

(صفحہ ۱۴)

آج جبکہ خوش فہمی سے بعض گروہِ صوفیہ میں ہر قسم کے علم پر، حجاب اکبر، کا حکم لگا دیا گیا ہے، علم شریعت کے فضائل مذکورہ بالا یقیناً حیرت و استعجاب کے کانوں سے سنے جائیں گے۔

۲۔ الباب الثانی فی الفقر (صفحہ ۱۴۔۲۲)

اس باب میں فضائلِ فقر و مسکنت کا بیان ہے فضائل فقر میں متعدد آیات قرآنی وارد ہیں مثلاً:

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ

ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ یَحْسَبُہُمُ الْجَاہِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ.

(سورۂ بقرہ، ع:۳)

یا پھر مثلاً:

تَتَجَافٰی جُنُوْبُہُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّہُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا.

احادیث نبوی ﷺ میں بھی بہ کثرت فضائلِ فقر وارد ہوئے ہیں، سرورِ کائنات ﷺ خود اپنے متعلق دُعا میں یہ آرزو کرتے تھے کہ

''اے پروردگار! مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھ، مسکین بنا کر وفات دے اور حشر میں زمرۂ مساکین میں اٹھا۔''

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے روز ارشادِ باری تعالیٰ ہوگا کہ

''میرے دوستوں کو حاضر کرو۔''

فرشتے عرض کریں گے کہ

''بارالہا! تیرے دوست کون ہیں؟''

جواب ملے گا کہ

''فقرا و مساکین۔''

(اوتوا منی احبائی فیقول الملٰئکة من احباك فیقول اللّٰہ الفقرآء و المساکین)

عہدِ رسالت میں فقرا مہاجرین رضی اللہ عنہم تھے جو مسجد نبوی ﷺ میں تمام اسباب دنیوی سے قطع نظر کر کے محض عبادت الٰہی کے لیے بیٹھ جاتے تھے اور اپنی روزی کے لیے محض مسبّب الاسباب پر تکیہ و توکل رکھتے تھے، اُن کی خبر گیری اور ان کی رفاقت کے لیے خود رسول اللہ ﷺ کو بارگاہِ ربّ العزت سے تاکید ہوتی تھی، چناں چہ ایک جگہ ارشاد ہوتا

ہے:

وَ لَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ.

اور ایک دوسرے مقام پر فرمان ملتا ہے:

وَ لَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا.

ان تاکیدی احکام نے ان فقرا و مہاجرین کو اس مرتبہ پر پہنچا دیا تھا کہ سرورِ کونین ﷺ جہاں کہیں انہیں دیکھ لیتے تو ارشاد فرماتے:

''میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں کہ خدا نے تمہارے حق میں مجھ پر عتاب کیا۔''

(صفحہ ۱۴۔۱۵)

صفحاتِ مابعد میں فقر کی حقیقت و آداب پر بحث کی ہے اور غنا کے مقابلہ میں اس کی افضلیت بہ دلائل ثابت کی ہے۔

۳۔ الباب الثالث فی التصوف (صفحہ ۲۲۔۳۱)

تیسرا باب ماہیت تصوف پر ہے، حضرت مصنف حسب عادت اِس باب کا بھی آغاز قولِ خدا و قولِ رسول ﷺ سے کرتے ہیں چناں چہ کلامِ الٰہی میں انہیں اس باب کے متناسب یہ آیت ملتی ہے:

وعبادالرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھوناً و اذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما.

اور ''احادیث'' میں سے اس کو پیش کرتے ہیں جو بجائے حدیثِ رسول ﷺ کے کسی بزرگِ امت کا مقولہ معلوم ہوتا ہے۔

من سمع صوت اهل التصوف فلا یومن علیٰ دعائهم
کُتِبَ عنداللّٰه من الغافلین.

اس کے آگے مصنف کتاب اللمع کی طرح انہوں نے بھی تفصیل بحث لفظ ''صوفی'' اوراس کے اشتقاق پر کی ہے،لفظ صوفی کی تحقیق میں مختلف مذاہب ہیں۔

''مردمان اندر تحقیق ایں اسم بسیار سخن گفتہ اند و کتب ساختہ و گروہے ازان گفتہ اند کہ صوفی را برائے آن صوفی خواندہ کہ صوفی اند کہ جامۂ صوف دارد و گروہے گفتہ اند کہ صوفی را از برائے آن صوفی خوانند کہ از صف اول باشد و گروہے گفتہ اند کہ بداں صوفی گویند کہ تولّی بہ اصحابِ صفہ رضی اللہ عنہم کردہ اند و گروہے گفتہ اند کہ ایں اسم از صفا مشتق ست و ہر کسے را اندرین معنی اندر تحقیق این طریقت لطائف بسیار است اما بہ مقتضائے لغت ازین معنی بعید می باشد۔''

(صفحہ۲۲)

''ایک گروہ کے نزدیک چونکہ یہ لوگ جامۂ صوف میں ملبوس رہتے تھے، اس لیے صوفی کہلائے بعض کا خیال ہے کہ لفظ صوفی کا ماخذ صفِ اوّل ہے یعنی یہ حضرات چونکہ صف اوّل میں رہتے تھے، اس لیے لقب صوفی سے موسوم ہوئے، ایک گروہ کا مسلک ہے کہ چوں کہ ان لوگوں کو اصحابِ صفہ رضی اللہ عنہم سے خاص محبت تھی، اس لیے صوفی کہلائے ایک اور جماعت اِس لفظ کا اشتقاق لفظ صفا سے بتاتی ہے اور ہر گروہ اپنی تائید میں دلائل و شواہد لاتا ہے لیکن لغت سے کسی قول کی بھی تائید نہیں ہوتی۔''

شیخ کے نزدیک صوفی وہ ہے جس کا قلب ''صفا'' سے لبریز ہو اور ''کدر''

(گندگی) سے خالی ہو اور اِس مرتبہ تک کاملانِ ولایت ہی پہنچ سکتے ہیں۔

''صفاضِدِّ کدر بود، کدر صفتِ بشر بود و بہ حقیقت صوفی بود، آنکہ اواز کدر گزر بود۔''

(صفحہ ۲۴)

''صوفی نامے ست کہ مرد کاملانِ ولایت را محققان را بدیں نام خوانند و خواندہ اند۔''

(صفحہ ۲۵)

چناں چہ متقدمین مشائخِ طریقت میں سے ایک بزرگ کا قول ہے کہ

من صفاه الحب فهو صافٍ و من صفاه الحبيب فهو صوفي.

''جس کو محبت صاف کر دے اسی پر صاف کا اطلاق ہو گا اور جسے محبوب اپنے لیے صاف کرے اسے صوفی سے موسوم کریں گے۔''

اہل تصوف کے تین درجہ ہیں:

۱۔ صوفی

۲۔ متصوف

۳۔ مستصوف

تینوں کی تعریف شیخ کے ہی الفاظ میں سننے کے قابل ہے:

''صوفی آن بودہ از خود فانی بود و بحق باقی واز قبضۂ طبائع رستہ و بہ حقیقت پیوستہ و متصوف آنکہ بجاہدہ این درجہ راہمی طلبد و اندر طلب خود را بر معاملت ایشان درست ہمی کند و مستصوف آن کہ از برائے مال و منال و جاہ و حفظ دنیا خود را مانند ایشان کردہ واز ین ہر دو چیز ہیچ

خبر ندارد تا حدے کہ گفتہ اند، المستصوف عندالصوفية
كالذباب و عند غيرهم كالذياب، مستصوف بہ نزدیک صوفی
از حقیرے چون مگس بود، آنچہ کند نزدیک وے ہوس بود د نزدیک
دیگران چون گرگ بے اختیار بود کہ ہمتش لختے مردار بود۔''

(صفحہ ۲۵)

''صوفی صاحب وصول ہوتا ہے کہ اسے وصل مقصود حاصل ہوتا ہے،
متصوف صاحب اصول ہوتا ہے کہ اصل پر قائم رہ کر احوالِ طریقت
میں مشغول رہتا ہے، مستصوف صاحب فضول ہوتا ہے جس کی قسمت
میں حقیقت سے مجوبی اور معانی سے محرومی ہے۔''

(صفحہ ۲۵ وصفحہ ۲۶)

بعض صوفیہ متقدمین نے صوفی و تصوف کی جو تعریفات بیان کی ہیں شیخ نے انہیں
بھی سنداً پیش کیا۔

(صفحہ ۲۶۔۲۹)

مثلاً:

ا۔ لصوفى اذا نطق بان نطق بان نطقه عن الحقائق وَ انْ
سَکَتَ نطقت عنه الجوارح بقطع العلائق.

(ذوالنون مصری رحمۃ اللہ)

''حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ صوفی وہ ہے کہ جب
گفتار میں آتا ہے، تو اس کی زبان اس کے حقیقتِ حال کی ترجمان
ہوتی ہے اور جب خاموش ہوتا ہے تو اس کے اعضا شہادت دیتے
ہیں کہ وہ علائق کو قطع کر چکا ہے۔''

۲۔ التصوف نعت اقیم العبد فیه قیل نعت للعبد ام للحق فقال نعت الحق حقیقةً و نعت العبد رسمًا.

(جنید بغدادی رحمۃ اللہ)

''حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ کا ارشاد ہے کہ تصوف نام اس صفت کا ہے جس میں بندہ کی اقامت ہو لوگوں نے پوچھا یہ صفت بندے کی ہے یا حق کی جواب دیا کہ حقیقتاً وہ صفت حق کی ہے بہ ظاہر بندہ کی ہے۔''

۳۔ التصوف ترك كل حظ للنفس.

(ابوالحسن نوری)

''حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ کا قول ہے کہ تصوف تمام حظوظ نفسانی کے ترک کا نام ہے۔''

۴۔ الصوفية هم الذين صفت ارواحهم فصاروا فی الصفّ الاول بین یدی الحق.

(ایضاً)

''انہیں بزرگ کا یہ بھی قول ہے کہ صوفی وہ لوگ ہیں جن کی ارواح آلائشوں سے پاک ہو چکی ہے اور وہ ربّ العزت کے حضور میں صف اول میں حاضر ہیں۔''

۵۔ الصوفی الذی لا یملك و لا یملك.

(ایضاً)

''انہیں بزرگ سے یہ بھی منقول ہے کہ صوفی وہ ہے جو نہ خود کسی کا مالک ہو نہ کوئی اس کا مالک ہو۔''

۶۔ التصوف روية الكون بعين النقص بل محض الطرف عن الكون.

''تصوف کائنات کو ایک سرسری نگاہ سے دیکھنا ہے بلکہ صرف اچٹتی نظر ڈالنے سے عبارت ہے۔''

(ابوعمرو دمشقی رحمہ اللہ)

۷۔ التصوف شرك لانه صيانة القلب عن روية الغير ولا غير.

(حضرت شبلی رحمہ اللہ)

''حضرت شبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تصوف ایک طرح کا شرک ہے، اس لیے کہ یہ نام ہے قلب کو 'غیر' سے محفوظ رکھنے کا درآنحالیکہ غیر کا سرے سے وجود ہی نہیں۔''

۸۔ التصوف صفاء السرّ من كدورة المخالفة.

(حضرت حصری رحمہ اللہ)

''شیخ حصری رحمہ اللہ کا مقولہ ہے کہ تصوف نام ہے قلب کو مخالفتِ حق کی کدورت سے پاک رکھنے کا۔''

۹۔ الصوفی لا یری فی الدارین مع اللّٰہ غیر اللّٰہ.

(حضرت شبلی رحمہ اللہ)

''حضرت شبلی رحمہ اللہ سے یہ ارشاد بھی منقول ہے کہ صوفی دونوں جہاں میں بجز خدا کے کسی کو نہیں دیکھتا۔''

۱۰۔ التصوف اسقاط الروية للحق ظاهراً و باطنا.

(علی بن بندار نیشاپوری رحمہ اللہ)

"شیخ علی بن بندار نیشاپوری رحمۃ اللہ کا ارشاد ہے کہ تصوف یہ ہے کہ صوفی کو اپنا ظاہر و باطن نظر نہ آئے، سب حق ہی حق نظر آئے۔"

اسی باب میں اہلِ تصوف کے مزید خصوصیات، اُن کے معاملات اور انبیا علیہم السلام کی پیروی میں ان کی کوششوں کو بیان کیا ہے۔

۴۔ الباب الرابع فی لبس المرقعات (صفحہ ۳۱۔۳۹)

چوتھے باب میں مرقع پوشی (یعنی پیوند کار لبادوں) کے فضائل کا ذکر ہے اور اس دستور کو سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم و آثارِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت کیا ہے۔

۵۔ باب فی ذکر اختلافہم فی الفقر والصفوۃ (۳۹۔۴۲)

اس باب میں اِس مسئلہ پر بحث ہے کہ فقر و صفا دونوں میں افضل کون ہے؟ بعض صوفیہ نے فقر کو ترجیح دی ہے اور بعض نے صفا کو شیخ رحمۃ اللہ نے محاکمہ کرنا چاہا ہے پھر بھی بحث تشنہ رہ گئی۔

۶۔ باب الملامت (۴۲۔۴۷)

اس باب میں اس آیت قرآن کی تفسیر میں

ولا تخافون لومة لائم ذلك فضل الله يوتيه من يشاء......

طریقہ الملامت کی ستایش کی ہے اور یہ دکھایا ہے کہ اہل حق راہِ حق میں کسی ملامت کی پروانہیں کرتے بلکہ خلق کی نظر میں رسوا و مطعون ہو کر اپنی للّٰہیت و حق پرستی کا عملی ثبوت بہم پہنچاتے ہیں اس طریقہ کی نشر و اشاعت کا سہرا شیخ ابوحمدون قصار رحمۃ اللہ کے سر ہے۔

حصولِ ملامت کی تین صورتیں ہیں:

ایک صورت

''راست رفتن''، یعنی معمولی طور پر راست روی کی ہے لوگ اس میں خواہ مخواہ مطعون کرنے لگتے ہیں۔

دوسری صورت

''قصد کردن'' کی ہے یعنی بالقصد ایسے فعل کا ارتکاب کرنا جس سے نفس کی حبِ جاہ کو صدمہ پہنچے اور لوگ زبانِ طعن دراز کریں یہ دونوں صورتیں محمود ہیں۔

تیسری صورت

''ترک کردن'' کی ہے یعنی کوئی فعل خلافِ شریعت اختیار کرنا یہ طریقہ سرتاسر نامحمود اور نتیجہ کفر وضلالت طبعی ہے۔

(صفحہ ۴۳)

زمانہ حال کے جو رنگین لباس اپنے تئیں سلسلہ ملامتیہ میں منسلک بتاتے ہیں عموماً اِسی آخری طریقہ پر عمل کرتے رہتے ہیں یعنی فرائض شرعی کا ترک اور منہیات شرعی کا ارتکاب اور اپنی اس گمراہی کا نام فقر وتصوف رکھتے ہیں، اِس طبقہ کو پیش نظر رکھ کر شیخ کے الفاظِ ذیل کا مطالعہ عبرت ودلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

> ''اما آنکہ طریقش ترک باشد وخلافِ شریعت چیزے بر دست گیرد و گوید کہ این طریقِ ملامت می ورزم، آں ضلالت واضح باشد وآفت ظاہر وہوس صادق، چنان چہ اندرین زمانہ بسیارے ہستند کہ مقصودِ شان از ردِ خلق قبول ایشاں بود۔''

(صفحہ ۴۴)

''جو شخص طریقِ ترک کو اختیار کرتا ہے اور خلافِ شریعت کسی فعل
کا ارتکاب کر کے کہتا ہے کہ میں اصول ملامتیہ کی پیروی کر رہا
ہوں اس کا یہ فعل ضلالت واضح، معصیت روشن اور ہوس صریح
ہے چناں چہ آج کل بہت سے ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں جن کا
مقصود طریق ملامتیہ کے پردہ میں نمود و نمائش ہوتا ہے نہ کہ اس کا
ترک۔''

اس کے آگے اپنا ایک ذاتی تجربہ بیان کیا ہے کہ اس کا ایک مرتبہ اسی طرح کے ایک مصنوعی ملامتی کا ساتھ ہو گیا اس نے ایک بدکرداری کی اور اس کی غرض تحصیلِ ملامت بیان کی، ان کے ایک رفیق نے اس کے اس فعل پر اعتراض کیا اس پر اُس نے آہ سرد کھینچی، شیخ نے کہا اگر ملامتی ہونے کے مدعی ہو اور اپنے اعتقاد میں سچے ہو تو اس رفیق کا ٹوکنا تمہیں گراں کیوں گزرا تمہیں تو اور خوش ہونا چاہیے تھا کہ مقصدِ ملامت حاصل ہو رہا ہے شیخ رحمہ اللہ کا یہ فقرہ آج کل کے شریعت شکن مدعیان فقر و کرامت کے لیے خصوصیت کے ساتھ قابلِ غور ہے۔

''ہر کہ خلق را دعوت کنند بامرے از حق مر آں را برہانے باید برہان
آں حفظِ سنت باشد چون از تو ترک فریضہ بینم و تو خلق را بدان دعوت
میکنی این کار خارج از دائرۂ اسلام می باشد۔''

(صفحہ ۴۵)

''جو شخص خلق کے سامنے دعوتِ حق لے کر آنے کا مدعی ہوتا ہے،
اسے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کوئی دلیل بھی لانا چاہیے اور یہ دلیل
پابندیِ سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، تم دعوتِ حق کے مدعی ہو، مگر جب تم
نے صریحاً ترکِ فریضہ کیا تو یہ فعل دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔''

۷۔باب فی ذکر ائمتہم من الصحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین (صفحہ ۴۷۔۵۱)

اس باب میں خلفائے اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ذکر ہے جو تمام صوفیوں کے سرکردہ و پیشوا ہوئے ہیں اور اس میں قدرتاً سب سے زیادہ اہمیت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ و حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو دی گئی ہے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ان الفاظ میں شروع ہوتا ہے:

''شیخ الاسلام و بعد از انبیا خیر الانام، خلیفہ و امام، و سید اہل تجرید و شاہنشاہِ ارباب تفرید، و از آفاتِ انسانی بعید، امیر المومنین ابوبکر عبداللہ الصدیق کہ دیرا کرامات مشہور است و آیات و دلائل ظاہر..........ومشائخ دیرا مقدم ارباب مشاہدت نہند۔''

علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا ذکر ان الفاظ میں ہے:

''برادرِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم و غریق بحرِ جلا و حریق نارِ ولا و مقتدائے جملہ اولیا و اصفیا ابوالحسن علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ اور اندرین طریقت شانے و درجہ رفیع بود..........تا حدے کہ جنید گوید رحمۃ اللہ علیہ شیخنا فی الاصول و البلاء علی المرتضیٰ شیخ ما اندر اصول و اندر بلا کشیدن علی المرتضیٰ است یعنی امامِ ما اندر علم طریقت و معاملات آن علی مرتضیٰ است..........اہل این طریقت اقتدا کنند بہ او و اندر حقائق عبارات و دقائق اِشارات و تجرید از معلوم دنیا و آخرت و نظارۂ اندر تقدیر حق و لطائف کلام وے بیشتر از آں ست کہ بہ عدۃ اندر آید۔''

(صفحہ ۵۱)

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مبارک تذکرے بھی تقریباً ایسے ہی شاندار الفاظ میں ہیں۔

۸۔ باب فی ذکر المتہم من اہل البیت (صفحہ ۵۱ تا صفحہ ۵۸)

یہ بات مناقب اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین خصوصاً امام حسن رضی اللہ عنہ، امام حسین رضی اللہ عنہ، امام زین العابدین رحمۃ اللہ، امام ابوجعفر بن باقر رحمۃ اللہ و امام جعفر صادق رحمۃ اللہ کے کمالات عالیہ پر مشتمل ہے

۹۔ باب فی ذکر اہل الصفہ (صفحہ ۵۸، صفحہ ۶۰)

اصحابِ صفہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات میں مصنف نے اپنی ایک مستقل تصنیف منہاج الدین کا حوالہ دیا ہے، اس باب میں صرف ان کے اسمائے گرامی کو شمار کر دیا ہے۔

۱۰۔ باب فی ذکر المتہم من التابعین (صفحہ ۶۰، صفحہ ۶۳)

یہ باب اویس قرنی رحمۃ اللہ، ہرم بن حیان رحمۃ اللہ، خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ اور سعید بن مسیتب رحمۃ اللہ کے تذکروں پر مشتمل ہے، گویا تابعین میں صوفیوں کے سردار و پیشوا یہ حضرات ہوئے ہیں۔

۱۱۔ باب فی ذکر المتہم من تبع التابعین (صفحہ ۶۳، صفحہ ۱۱۶)

اس باب کے تحتانی عنوانات ۶۴ ہیں اور ہر عنوان ایک ایک بزرگ کے تذکرہ کے لیے وقت ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ، امام شافعی رحمۃ اللہ، مالک بن دینار رحمۃ اللہ، احمد حنبل رحمۃ اللہ، حبیب عجمی رحمۃ اللہ، ذوالنون مصری رحمۃ اللہ، داؤد طائی رحمۃ اللہ، معروف کرخی رحمۃ اللہ، ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ، سری سقطی رحمۃ اللہ، فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ، جنید بغدادی رحمۃ اللہ، ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ،

منصور حلاج، ان چند پر سارے عنوانات کو قیاس کرنا چاہیے گویا طبقۂ تبع تابعین میں اکابر صوفیہ کی فہرست ابوحنیفہ رحمہ اللہ، شافعی رحمہ اللہ و احمد حنبل رحمہ اللہ کے اسمائے گرامی سے شروع ہوتی ہے۔

۱۲۔ باب فی ذکر المتہم من المتاخّرین (صفحہ ۱۱۶، صفحہ ۱۲۳)

متاخرینِ صوفیہ میں دس بزرگوں کے حالات درج کیے ہیں جن میں ابوالحسن خرقانی رحمہ اللہ و امام ابوالقاسم قشیری رحمہ اللہ کے نام خاص طور پر قابلِ لحاظ ہیں۔

۱۳۔ باب فی ذکر الرجال الصوفیہ من المتاخرین علی الاختصار من اہل البلدان (صفحہ ۱۲۳۔۱۲۶)

اسے باب ماقبل کا تکملہ سمجھنا چاہیے، اس میں معاصرین صوفیہ کا تذکرہ ہے اور ان کے طبقات کو ان کی وطنیت کی بنا پر تقسیم کیا ہے، مثلاً صوفیۂ شام وعراق، صوفیۂ پارس، صوفیۂ قہستان، آذربائیجان وطبرستان، صوفیۂ کرمان، صوفیہ خراسان، صوفیۂ ماوراء النہر، صوفیۂ غزنین۔

۱۴۔ باب فی فرق فرقہم فی مزاھبھم (صفحہ ۱۲۶۔۲۰۰)

کتاب کا سب سے طویل وضخیم باب یہی ہے، اس میں صوفیہ کے مختلف سلاسل، ان کے اصول اور باہمی فروع کا ذکر ہے شیخ کے استقصا میں اس وقت تک صوفیہ کے کل بارہ سلاسل تھے جن میں سے دس مقبول اور اہل حق تھے اور باقی دو مردود اور اہل ضلالت تھے دس مقبول سلسلوں کے نام مع ان کے بانیوں کے حسب ذیل ہیں:

نمبر شمار	نام سلسلہ	نام بانی سلسلہ
۱	محاسبیہ	عبداللہ بن حارث محاسبی رحمۃ اللہ
۲	قصاریہ	ابوحمدون قصار رحمۃ اللہ
۳	طیفوریہ	بایزید بسطامی رحمۃ اللہ
۴	جنیدیہ	جنید بغدادی رحمۃ اللہ
۵	نوریہ	ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ
۶	سہلیہ	سہل تستری رحمۃ اللہ
۷	حکیمیہ	حکیم ترمذی رحمۃ اللہ
۸	خرازیہ	ابوسعید خراز رحمۃ اللہ
۹	خفیفیہ	ابوعبداللہ خفیف رحمۃ اللہ
۱۰	سیّاریہ	ابوالعباس سیاری رحمۃ اللہ

گیارہویں سلسلہ کا نام جو مردود دین و اہل ضلالت کا ہے، سلسلۂ حلولیہ ہے، جس کا بانی ابوحلمان دمشقی ہوا ہے، بارہویں سلسلہ کا نام کہ وہ بھی مردود ہے، درج کتاب نہیں، اس کا انتساب فارس① کی جانب کیا جاتا ہے۔

(صفحہ ۱۹۵)

اس باب میں ضمناً اکثر مہماتِ مسائلِ تصوف پر بحث آ گئی ہے چند تحتانی ابواب کے عنوانات سے نوعیتِ مضامین کا اندازہ ہو سکے گا، حقیقتِ رضا، فرق بین الحال والمقال، الکلام فی السکر والصحو، الکلام فی حقیقۃ النفس ومعنی الھوٰی، الکلام فی مجاہدۃ النفس، الکلام فی حقیقۃ الھوٰی، الکلام فی اثبات الولایت، الکلام فی اثبات الکرامت، الکلام فی البقاء والفناء،

① ملا جامی رحمۃ اللہ نے ان کا پورا نام فارس بن عیسیٰ بغدادی درج کیا ہے۔ (نفحات الانس صفحہ ۳۷ مطبوعہ کلکتہ)

الکلام فی الغیبۃ والحضور، الکلام فی الجمع والتفرقہ، تفضیل الانبیاء والاولیاء علی الملائکہ وقس علیٰ ہذا۔

باب چہاردہم تک گویا تاریخی وتنقیدی حصہ تھا اس کے بعد سے کشف المحجوب میں مستقلاً مسائلِ سلوک کی تشریح شروع ہوتی ہے اور حجابات کا کشف ہونے لگتا ہے مصنف نے گیارہ حجابات قرار دیے ہیں اور آیندہ ہر باب میں ایک ایک حجاب کو اٹھایا ہے ہر باب متعدد فصول پر منقسم ہے عنواناتِ ابواب پر نظر کرنا کافی ہوگا۔

۱۵۔ کشف الحجاب الاول فی معرفۃ اللہ صفحہ ۲۰۰ تا صفحہ ۲۰۸

۱۶۔ کشف الحجاب الثانی فی التوحید صفحہ ۲۰۸ تا صفحہ ۲۱۵

۱۷۔ کشف الحجاب الثالث فی الایمان صفحہ ۲۱۵ تا صفحہ ۲۱۹

۱۸۔ کشف الحجاب الرابع فی الطہارۃ (صفحہ ۲۱۹ تا صفحہ ۲۲۶)

اس میں ایک تحتانی باب فی التوبۃ وما یتعلق بہا ہے۔

۱۹۔ کشف الحجاب الخامس فی الصلوٰۃ صفحہ ۲۲۶ تا ۲۳۹

اس میں ایک تحتانی باب فی المحبۃ وما یتعلق بہا ہے۔

۲۰۔ کشف الحجاب السادس فی الزکوٰۃ صفحہ ۲۳۹ تا ۲۴۴

اس میں ایک تحتانی باب جود وسخا پر ہے۔

۲۱۔ کشف الحجاب السابع فی الصوم صفحہ ۲۴۴ تا ۲۵۰

اس میں ایک تحتانی باب جوع پر ہے۔

۲۲۔ کشف الحجاب الثامن فی الحج صفحہ ۲۵۰ تا ۲۵۷

اس میں ایک تحتانی باب مشاہدہ پر ہے۔

۲۳۔ کشف الحجاب التاسع فی الصحبۃ صفحہ ۲۵۷ تا ۲۸۶

صحبت کو سلوک و طریقت میں جو مرتبہ اہمیت حاصل ہے اس کے لحاظ سے یہ بالکل قدرتی ہے کہ یہ باب اس قدر مبسوط و مفصل ہے، آداب و احکامِ صحبت کی تفصیل میں یہ باب بجائے خود تحتانی ابواب پر منقسم ہے جن کے عنوانات حسب ذیل ہیں:

"باب الصحبۃ و ما یتعلق بہا، باب آدابہم فی الصحبۃ، باب آداب الصحبۃ فی الاقامۃ، باب آدابہم فی السفر، باب آدابہم فی الاکل، باب آدابہم فی المشی، باب آداب نومہم فی السفر والحضر، باب آدابہم فی الکلام والسکوت، باب آدابہم فی السوال، باب آدابہم فی التزویج و التجرید۔"

۲۴۔ کشف الحجاب العاشر فی بیان منطقہم وحدود الفاظہم وحقائق معانیہم (صفحہ ۲۸۶۔۳۰۶)

اس میں پہلے کسی قدر تفصیل کے ساتھ ان اہم مصطلحات کے معانی اور ان کے باہمی فروق کی توضیح کی ہے جنہیں ارباب سلوک و طریقت استعمال کرتے رہتے ہیں مثلاً حال و وقت، مقام و تمکین، محاضرات و مکاشفات، قبض و بسط، انس و ہیبت، قہر و لطف، نفی و اثبات، مسامرہ و محادثہ، علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین، علمِ معرفت، شریعت و

حقیقت وغیرہ، نوعیتِ مباحث کا اندازہ اقتباسِ ذیل سے ہوگا جس میں شریعت وحقیقت کے تعلقِ باہمی کو بیان کیا ہے:

''شریعت فعل بندہ بود وحقیقت داشت خداوند وحفظ وعصمت وے پس اقامتِ شریعت بے وجود حقیقت محال باشد واقامتِ حقیقت بے حفظِ شریعت ہم محال ومثال این چون شخصے باشد زندہ بجان چون جان ازوے جدا شود، آن شخص مردارے باشد وجان چون بادے کہ قیمت شان از مقارنت یکدیگراست ہمچنین شریعت بے حقیقت ریاے بود وحقیقت بے شریعت نفاق و خداوند گفت والذین جاھدوا فیما لنھدینھم سبلنا مجاہدت، شریعت آمد وہدایت حقیقت، آن یکے حفظ بندہ باشد امر احکام ظاہر را بر خود وآن دیگر حفظ حق بود بر احوالِ باطن را بر بندہ پس شریعت از مکاسب بود وحقیقت از مواہب۔''

(صفحہ ۳۰۰)

اس کے بعد مختصراً اور بہت سے مصطلحاتِ صوفیہ کے معانی درج کیے ہیں مثلاً حق حقیقت، ذات، صفت، جوہر۔

۲۵۔ کشف الحجاب الحادی عشر فی السماع صفحہ ۳۰۶ تا ۳۲۸

یہ آخری باب جو سماع سے متعلق ہے، بجائے خود دس حصوں میں منقسم ہے جن کے عنوانات یہ ہیں باب سماع القرآن، باب سماع الشعر، باب سماع الاصوات والالحان، باب فی احکام السماع، باب اختلافھم فی السماع، باب مراتبھم فی السماع، باب فی الوجد و التواجد، باب فی الرقص، باب فی الخرق، باب فی آداب السماع، شیخ کے نزدیک سماع کی

بہترین صورت سماعِ آیاتِ قرآنی ہے، فرماتے ہیں:

''ادنیٰ ترین سماع سموعات، مردل را بہ فوائد، سر را بہ زوائد، وگوش را بہ لذت، کلام خداوند عزاسمہ است، و مامور رند ہمہ مومنان و مکلّف اند ہمہ کافران از آدمی و پری شنیدن کلام ایزد تعالیٰ۔''

(صفحہ ۳۰۷)

سماعِ قرآن کی افضلیت واستحسان سے تو کسی مسلمان کو اختلاف نہیں ہوسکتا، قابلِ بحث شے سماع مروجہ یعنی سماعِ غنا ہے شیخ خود سماع سنتے تھے اور اسوہ رسول ﷺ اور آثارِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سند اپنے عمل کی تائید میں رکھتے تھے۔

(صفحہ ۳۱۲، ۳۱۶)

چناں چہ ابوعبدالرحمٰن سلمی کی کتاب السماع کا حوالہ بھی دیتے ہیں جس میں انہوں نے جوازِ سماع کی تائید میں احادیثِ رسول ﷺ و آثارِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو نقل کیا ہے صفحہ ۳۱۶ پر رقم فرماتے ہیں کہ

''مراد مشائخ متصوفہ ازین طلبیدن بخیر اباحت ست از آنچہ اعمال فوائد باید، اباحت طلبیدن کارِ عوام باشد و برمحل مباح ستورانند بندگانِ مکلّف را باید تا ز کردار فائدہ طلبند۔''

(صفحہ ۳۱۶)

مشائخ صوفیہ اباحتِ سماع کے متلاشی نہیں رہتے، اس لیے کہ کسی عمل کو اس کی اباحت کی بنا پر نہیں فوائد کی بنا پر اختیار کرنا چاہیے تلاشِ اباحت میں صرف عوام رہتے ہیں سندِ جواز چار پایوں کے لیے کافی ہوسکتی ہے، انسان جس کے لیے تکالیف شرعی رکھی گئی ہیں اسے چاہیے کہ اعمال کو فوائد روحانی کی بنا پر اختیار کرے۔''

اس کے آگے ایک اپنا ذاتی واقعہ تحریر فرماتے ہیں جو اس مسئلہ پر قولِ فیصل کا حکم رکھتا ہے کہتے ہیں کہ

''وقتے من بہ مرو بودم یکے از ائمہ اہل حدیث کہ معروف ترین ایشان بود مرا گفت کہ من اندر اباحت سماع کتابے کردہ ام گفتم بزرگ مصیبتی کہ اندر دین پدید آمد کہ خواجہ امام لہوے را کہ اصل ہمہ فسقہا است حلال کرد، مرا گفت پس اگر حلال نمی دانی تو چرا میکنی، گفتم حکم این بر وجوہ است بر یک چیز قطع نہ توان کرد اگر تاثیر اندر دل حلال بود سماع حلال بود و اگر حرام بود، حرام و اگر مباح بود مباح چیزے را کہ حکم ظاہرش فسق است و اندر باطن حالش روشن بر وجوہ است، اطلاق آں بہ یک چیز محال باشد۔''

(صفحہ ۳۱۶)

''ایک زمانہ میں مرو میں تھا ایک روز وہاں کے مشہور ترین امام اہلحدیث نے مجھ سے کہا کہ میں نے جوازِ سماع پر ایک کتاب تصنیف کی ہے میں نے کہا کہ یہ تو بڑا غضب ہوا کہ حضرت امام نے ایک ایسے لہو کو حلال کر دیا جو ہر فسق کی جڑ ہے انہوں نے کہا کہ اگر تم حلال نہیں سمجھتے ہو تو خود کیوں سنتے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ اس کا حکم مختلف حالات پر منحصر ہے کوئی ایک حکم قطعی طور پر نہیں لگایا جا سکتا اگر سماع سے دل میں تاثیر حلال پیدا ہوتی ہے تو سماع حلال ہے اگر حرام پیدا ہوتی ہے تو حرام ہے اگر مباح پیدا ہوتی ہے تو مباح ہے ایسی شے جس کے ظاہر پر حکم فسق کا ہے اور جس کا باطن مختلف احوال کا تابع ہے اس پر کوئی ایک قطعی حکم لگا دینا محال ہے۔''

کتاب کے سب سے آخری باب میں جو آداب السماع کے عنوان سے ہے، شیخ رحمۃ اللہ نے حسب ذیل شرائطِ سماع تحریر کی ہیں:

۱۔ خواہ مخواہ ارادہ کر کے سماع نہ سنے طبیعت کو جب از خود رغبت ہو اس وقت سنے۔

۲۔ بہت کثرت سے سماع کبھی نہ سنے کہ طبیعت اس کی خوگر ہو جائے بلکہ کبھی کبھی سنے، تاکہ ہیبتِ سماع دل پر قائم رہے۔

۳۔ محفلِ سماع میں ایک مرشد یا پیر طریقت موجود رہے۔

۴۔ محفل میں عوام نہ شریک ہوں۔

۵۔ قوال پاکباز ہو، فاسق نہ ہو۔

۶۔ قلب مکروہات دنیوی سے خالی ہو۔

۷۔ طبیعت لہو ولعب کی جانب آمادہ نہ ہو۔

۸۔ کسی قسم کا تکلف نہ کیا جائے۔

تاثیرِ سماع کے چند مؤثر واقعات لکھنے کے بعد اور یہ تسلیم کر کے کہ سماع بعض صورتوں میں نفس انسانی کا بہترین مصلح ہوتا ہے، شیخ اپنے تئیں اپنا یہ تلخ تجربہ بھی قلمبند کرنے پر مجبور پاتے ہیں کہ

''اندرین زمانہ گروہے گم شدگان بہ سماعِ فاسقان حاضر شوند، وگویند کہ سماع از حق میکنم و فاسقان از آنکہ ایشان مرا ایشان را اندران موافقت کنند بر سماع کردن و بہ فسق و فجور حریص تر شوند تا خود ایشان ہلاک شوند۔''

(صفحہ ۳۲۱)

''اس زمانہ میں گمراہوں کا گروہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جو فاسقوں کی محفلِ سماع میں شریک ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم سماع حق کے لیے سنتے ہیں

فاسقوں کا فسق و فجور اس سے اور بڑھتا ہے یہاں تک کہ یہ اور وہ
دونوں برباد ہو جاتے ہیں۔"

یہ حال جب آج سے نو سو سال قبل کا تھا، تو پھر موجودہ مشائخ، پیرزادوں اور سجادہ نشینوں کی عام محافلِ سماع کس حکم میں داخل ہوں گی؟

باب ۳

رسالۂ قشیریہ

(امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ)

استاد ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ، شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ صاحب کشف المحجوب کے بزرگ اور ہم عصر تھے، شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ نے پانچویں صدی کے وسط میں اپنی تالیف فارسی میں کی، استاد قشیری، چند سال قبل اپنا رسالہ عربی میں مرتب کر چکے تھے، تصوف کے موجودہ قدیم ذخیرہ میں شہرت واستناد کا جو مرتبۂ امتیاز رسالہ کو حاصل ہے کمتر کسی اور کے نصیب میں آیا کتاب اللمع کا پتہ لگنے سے پیشتر دنیا میں تصوف کی قدیم ترین کتاب یہی رسالہ خیال کیا جاتا تھا۔

ا۔ مصنف

تذکروں میں حالات بہت مختصر ملتے ہیں اسم گرامی ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیر ی، لقب زین الاسلام تھا①، مولد خراسان②، مدفن نیشاپور ہے③، تاریخِ ولادت بقول شیخ الاسلام زکریا انصاری شارحِ رسالہ ربیع الاوّل ۳۷۶ھ ہے④،

① مدینۃ العلوم ازنقیبی ② سفینۃ الاولیا، (صفحہ ۱۶۵) لکھنؤ

③ رسالۂ قشیریہ، مطبوعہ مصر، سرورق ④ ایضاً

تاریخِ وفات سب کے نزدیک مسلم ہے، ۱۶/ ماہ ربیع الثانی، ۶۵ ۴ ھ اس حساب سے ۸۹ سال کی عمر ہوتی ہے ہنوز بچہ تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، ابتدائی تعلیم ابوالقاسم یمانی رحمۃ اللہ سے حاصل کی جو عربی زبان وادب کے نامور استاد تھے، خدارسی کے شوق میں شیخ وقت ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ارشاد ہوا کہ

"پہلے علوم دین میں کمال حاصل کرو۔"

اس حکم کی تعمیل میں تفسیر، حدیث، کلام، اصول، فقہ، نحو، شعر وغیرہ جملہ علوم متداولہ میں تبحر حاصل کیا چناں چہ جن حضرات سے استفادہ کیا وہ اس زمانے کے بہترین ماہرینِ فنون تھے۔ مثلاً ابوالحسن بن بشران، ابونعیم، اسفرائنی، ابوبکر طوسی، ابوبکر بورک، ابواسحٰق اسفرائنی وغیرہم۔①

علوم ظاہری میں فراغت کے بعد ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ کی خانقاہِ تصوف وفقر میں قدم رکھا اور انہیں کی صاحبزادی سے عقد بھی کیا۔ ان کے وصال کے بعد شیخ عبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ (صاحب طبقات الصوفیہ) سے مستفید ہوتے رہے۔② بیعت شیخ دقاق رحمۃ اللہ ہی سے تھی۔③

رسالہ میں ان کا ذکر خاص عقیدت کے ساتھ کیا ہے اور ان کے نام کے ساتھ لقب استاد کا اضافہ کرتے گئے ہیں۔

تصانیف ہر فن پر کثرت سے چھوڑیں اور محققانہ، شیخ ہجویری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

"اندر ہر فن اورا لطائف بسیار است وتصانیف نفیس جملہ با تحقیق۔"

(کشف المحجوب صفحہ ۱۲۱)

---

① یہ ساری معلومات بستان المحدثین، شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ سے ماخوذ ہیں صفحہ ۷۶ (مطبوعہ لاہور)

② ایضاً

③ نفحات الانس صفحہ ۴۵۵ (کلکتہ)

شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ نے تصانیف ذیل کا ذکر کیا ہے:①

۱۔ رسالہ قشیری

۲۔ ایک عظیم الشان و بے مثل تفسیر قرآن۔② (تفسیرے است نہایت کلاں و آن بہترین تفاسیر است)③

۳۔ نحو القلوب

۴۔ لطائف الاشارات

۵۔ کتاب الجواہر

۶۔ کتاب احکام السماع

۷۔ کتاب آداب الصوفیہ

۸۔ کتاب عیون الاجوبہ

۹۔ کتاب المناجات

۱۰۔ کتاب المنتہیٰ④

عبادت میں جو شغف و اہتمام تھا اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ مرض الموت میں نوافل تک ترک نہ ہونے پائے اور نمازیں برابر کھڑے ہو کر ادا کرتے رہے۔⑤

فقر و تصوف میں جو پایہ رکھتے تھے، اس کی کیفیت شیخ ہجویری رحمہ اللہ کے الفاظ ذیل

---

① بستان المحدثین۔

② صاحب مدینۃ العلوم نے اس کا نام تفسیر کبیر لکھا ہے ہو من اجل التفاسیر واوضحہا۔

③ بستان المحدثین، علمائے عصر میں قرآن کے بہترین عالم مولانا حمید الدین (صاحب فہم القرآن) کی زبان سے بھی ایسی ہی تعریف سننے میں آئی ہے۔

④ مدینۃ العلوم میں جو فہرست تصانیف دی ہوئی ہیں وہ اس سے کسی قدر مختلف ہے۔

⑤ بستان المحدثین صفحہ ۷۷

سے معلوم ہوگی:

''استاذامام و زین الاسلام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری رحمۃ اللہ علیہ، اندر زمانہ خود بدیع بود وقدرش رفیع ومنزلتش بزرگ ومعلوم است اہل زمانہ راروزگار وے وانواع فضلش واندر ہر فن اورا لطائف بسیار است وتصانیف نفیس جملہ با تحقیق وخداوند تعالیٰ حال و زبان وے راازمحفوظ گردانیدہ بود۔''

(کشف المحجوب صفحہ ۱۲۱)

مدینۃ العلوم کی عبارتِ ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ فاضل ہمہ دان اور جملہ علوم و فنون کے جامع تھے۔

کان جامعًا بین اشتات العلوم کان فقیھًا اصولیًا محققًا محدثًا حافظًا متغنیًا نحویًا لغویًا کاتبًا شاعرًا

منصور حلاج سے متعلق صوفیہ کے ایک بڑے گروہ کو تردد وتذبذب رہا ہے استاد قشیری کا یہ مقولہ جو متعدد تذکروں میں منقول ہے، اس باب میں قول فیصل سمجھا جاتا ہے:

''چنانکہ استاد ابوالقاسم قشیری گفت در حقِ او کہ اگر مقبول بود بہ رد خلق مردود نہ گردد واگر مردود بود بہ قبول خلق مقبول نہ گردد۔ ①

شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت سے قلب بہت زیادہ متاثر تھا، صاحبِ کشف المحجوب لکھتے ہیں:

''از استاد ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ شنیدم کہ چوں من بولایت خرقان اندر آمدم فصاحتم برسید وعبارتم نماند از حشمتِ آن پیر وپنداشتم کہ از ولایتِ خود معزول شدم۔''

(صفحہ ۱۱۸)

① تذکرۃ الاولیاء شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ جلد۲ صفحہ ۳۵۔

''یعنی استاد قشیری رحمہ اللہ مجھ سے فرماتے تھے کہ جب میں خرقان پہنچا تو اس بزرگ کی ہیبت اس درجہ طاری ہوئی کہ گویائی جاتی رہی اور تابِ گفتگو نہ رہی اور یہ خیال پیدا ہوا کہ ولایت سے معزول کر دیا گیا ہوں۔''

یہ قول شیخ فریدالدین عطار رحمہ اللہ نے بھی نقل کیا ہے۔

(تذکرۃ الاولیاء جلد ۲ صفحہ ۲)

صاحبِ کشف المحجوب نے امام قشیری رحمہ اللہ کے متعدد صوفیہ نہ اقوال اپنے یہاں نقل کیے ہیں ان میں سے ایک آدھ درج کیے جاتے ہیں:

''مردمان اندر فقر و غنا سخن گفتہ اند و خود را اختیارے کردہ، و من آن اختیار کنم کہ حق مرا اختیار کند و مرا اندر آن نگاہ دارد اگر تونگر دارم غافل نباشم و اگر درویش خواہدم حریص و معرض نباشم مثل الصوفی کعلۃ البرسام اولہ ہذیان والخرہ سکوت فاذا تمکنت حزیت۔''

(صفحہ ۱۸)

''لوگوں کے اقوال فقر و تو انگری سے متعلق مختلف ہیں اور کسی نے ایک کو اپنے لیے اختیار کیا ہے، کسی نے دوسرے کو، لیکن میں اسی شے کو اختیار کرتا ہوں جو خدا میرے لیے اختیار کر دے اور جس میں مجھے رکھے، اگر تو انگر بنا کر رکھے تو غافل نہ ہوں گا، اگر فقیر بنا کر رکھے تو حریص و نافرمان ہو کر نہ رہوں گا، صوفی کی مثال مرض برسام کی سی ہے جس کے ابتدا میں ہذیان ہوتا ہے اور انتہا میں سکوت یعنی جب تم کمال کو پہنچ جاتے ہو تو زبان گنگ ہو جاتی ہے۔''

شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ سماع کے قائل نہ تھے:

"نقل است کہ استاد ابوالقاسم سماع را معتقد نہ بود۔"

(جلد۲، صفحہ۲۳۲)

لیکن خود رسالہ قشیریہ میں سماع سے انکار صریح نہیں پایا جاتا، بین بین کی سی حالت ہے روایتِ ذیل کی ذمہ داری حضرت عطار رحمۃ اللہ علیہ پر ہے:

"جس صبح کو حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر نیشاپور رحمۃ اللہ علیہ وارد ہونے والے ہیں، اُس کی شب میں خود استاد ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے تمیں مریدوں نے خواب دیکھا کہ آفتاب زمین پر اُتر آیا ہے صبح کو شہر میں شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے ورود کا غلغلہ ہوا، استاد موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حلقہ نشینوں کو شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہونے سے منع کر دیا، لیکن جن جن شاگردوں نے وہ خواب دیکھا تھا، سب حاضرِ خدمت ہوئے، استاد رحمۃ اللہ علیہ کو اس سے ملال ہوا اور وہ خود شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے نہ آئے ایک روز سرِ منبر استاد رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ:

"مجھ میں اور ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ میں یہ فرق ہے کہ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ خدا کو دوست رکھتا ہے اور خدا مجھ کو، پس اس کے اور میرے وہ نسبت ہے جو ذرّہ کو کوہ سے ہوتی ہے۔"

کسی نے یہ مقولہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے نقل کیا ارشاد ہوا کہ

"میں تو کچھ بھی نہیں ہوں، ذرہ اور کوہ سب کچھ وہی ہے۔"

استاد نے یہ خبر سنی تو اور زیادہ اشتعال پیدا ہوا۔

عین اسی شب کو خواب میں حضرت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی، اس

صورت کے ساتھ کے کہ حضور نبی کریم ﷺ کہیں تشریف لیے جا رہے ہیں۔

عرض کیا کہ

''قصد مبارک کہاں کا ہے؟''

ارشاد ہوا کہ

''مجلسِ ابوسعید کا۔''

استاد گھبرا کر بیدار ہوئے اور وضو کر کے شیخ رحمہ اللہ کی مجلس میں حاضر ہوئے یہاں پہنچ کر شیخ رحمہ اللہ کی ظاہری شان و شوکت دیکھ کر پھر ایک بار بدگمانی پیدا ہوئی اور دل میں خطرہ گزرا کہ شیخ رحمہ اللہ علم و فضل میں مجھ سے زائد نہیں، مرتبہ روحانی میں ہم وہ برابر ہیں، پھر اسے یہ اعزاز و اکرام کہاں سے حاصل ہے؟

شیخ رحمہ اللہ کو از روئے کشف استاد کے اس خطرہ پر اطلاع ہو گئی اور شب کے واقعات کا پتہ دینا شروع کیا۔ استاد رحمہ اللہ کے تمام شکوک دور ہو گئے اور طبیعت بالکل صاف ہو گئی، شیخ رحمہ اللہ جب منبر سے اُترے تو دونوں صاحب بغل گیر ہوئے استاد ابوالقاسم رحمہ اللہ اپنے خیالات سے تائب ہوئے، ربط باہمی اتنا بڑھا کہ ایک روز اپنے قول کی تردید کلی میں برسر منبر یہ فرمایا کہ

''جو شخص ابوسعید کی مجلس میں حاضر نہ ہو، مہجور یا مطرود ہے۔''①

حضرت عطار رحمہ اللہ ہی اس روایت کے بھی ناقل ہیں کہ استاد ابوالقاسم رحمہ اللہ سماع کے منکر تھے، ایک روز شیخ ابوسعید رحمہ اللہ کی خانقاہ کے سامنے سے گزرے اس وقت

---

① تذکرۃ الاولیاء جلد ۲ صفحہ ۳۳۲، ۳۳۳، پوری حکایت اور طویل ہے یہاں مختصراً درج کی گئی۔

محفلِ سماع گرم تھی، استاد نے اپنے دل میں کہا کہ

''یہ لوگ جو اس قدر برہنہ سر و برہنہ پا مارے مارے پھرتے ہیں،
شریعت میں ان کا ثقہ ہونا مستند نہیں اور ان کی گواہی کا اعتبار نہیں۔''
شیخ رحمۃ اللہ نے اسی وقت ایک شخص کو دوڑایا کہ استاد سے پوچھو کہ
''ہم کو کب تم نے بہ حیثیت گواہ دیکھا تھا کہ گواہی کے معتبر ہونے یا نہ
ہونے کا سوال پیدا ہوا۔''

(۲) تصنیف

کتاب کا پورا نام رسالۃ القشیریہ فی علم التصوف ہے۔ سالِ تالیف حسبِ تصریح حضرت مؤلف ۴۳۷ھ ① ہے رسالہ کے مخاطب اصلی ممالک اسلامیہ کی معاصر جماعتِ صوفیہ ہے۔②

جس کے ارکان کے نام یہ رسالہ گویا (بہ اصطلاح موجودہ) بہ طور ''کھلے خط'' کے شائع کیا گیا ہے۔ چناں چہ مخاطبین سے اکثر صیغۂ جمع حاضر میں خطاب ہے۔ غرضِ تصنیف یہ بیان کی ہے کہ صوفیہ متقدمین دنیا سے رخصت ہو چکے، ان کے طریقہ بھی ان کے ساتھ ناپید ہو گئے، اب بجائے اُن کے جو لوگ ان کی نیابت کے مدعی ہیں ان پر حرص و ہوا غالب ہے وہ مجاہدات و عبادات کے تارک ہیں اور غفلت و شہوت میں مبتلا:

اعلموا رحمکم اللّٰہ ان المحققین من هذه الطائفة
انقرض اکثرهم و لم یبق فی زماننا من هذه الطائفة
الاثرهم.........خصلت الفترة فی هذه الطریقة..........

① رسالہ قشیریہ صفحہ ۱ مطبوعہ مصر

② ایضاً

اندر ست الطریقة بالحقیقة مضی الشیوخ الذین کانوابھم ابتداء و قل الشباب الذین کان لھم بسیرتھم و سنتھم اقتداء و زال الورع و طوی یساطه واشتد الطمع و قوی رباطه وارتحل عن القلوب حرمة الشریعة فعدواقلة المباة لا بالدین اوثق ذریعة و رفضوا التمیز بین الحلال و الحرام و دانوا بترك الاحترام و طرح الاحتشام و استخفوا باداء العبادات واستھانوا بالصوم والصلٰوة وارکنوا فی میدان الغفلات و رکنوا الٰی اتباع الشھوات.①

جب ان نام نہاد صوفیہ کی اخلاقی پستی حد سے گزر گئی، عبادت و طاعات میں انہماک کے بجائے ان کے ساتھ استخفاف شروع ہو گیا، شریعت کے اتباع کے بجائے اس کی خلاف ورزی کو اپنے لیے باعثِ فخر سمجھنے لگے، روحانیت سے کوئی واسطہ نہ رہا اور سرتاسر نفسانیت غالب آ گئی تو مخالفین کو حقیقتِ تصوف سے انکار اور معترضین کو مسلکِ حقیقت پر اعتراض کے مواقع کثرت سے ملنے لگے، ایسی حالت میں مصنف کو ضروری معلوم ہوا کہ اس جماعت کی خدمت میں ایک رسالہ پیش کیا جائے جس میں سلف کے صوفیہ صافیہ کے حالات کا بیان اور ان کے اخلاق، عبادات، عقائد و معاملات وغیرہ کا ذکر ہو۔

فعلقت هذه الرسالة الیکم اکرمکم اللّٰه و ذکرت فیھا بعض سیر الشیوخ هذه الطریقة فی آدابھم و اخلاقھم و معاملاتھم و عقائدھم بقلوبھم و ما اشروا الیه من مواجیدھم و کیفیة ترقیھم من بدایتھم الٰی نھایتھم

① رسالہ قشیریہ ص ۱، مطبوعہ مصر

لتكون لمريدى هذه الطريقة قوة.

یہ حال پانچویں صدی ہجری کے آغاز میں حضرات صوفیہ کا تھا، اس معیار سے اگر موجودہ دور کے اکثر مدعیانِ فقر و تصوف کے اعمال و افعال پر نظر کی جائے تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کن الفاظ میں اظہار رائے کرنا پڑے گا۔

مطبوعہ رسالہ چوڑی تقطیع اور باریک ٹائپ کے ۱۸۶ صفحہ پر آیا ہے۔

ابتدا کے چند صفحات (۲۔۷) اصولِ توحید و مسائلِ توحید کے بارے میں متقدمین کے اقوال منقولہ کی نذر ہیں۔

(۱) باب اوّل

اس باب کا عنوان فی ذکر المشائخ ہذہ الطریقۃ و ما یدل من سیرھم و اقوالھم علیٰ تعظیم الشریعۃ ہے۔ اس کے ذیل میں کچھ اوپر اَسّی (۸۰) بزرگوں کا تذکرہ ہے جن میں سے ہر ایک اپنے ملک اور زمانہ میں تصوف کا رکن رکین ہوا ہے مثلاً،

"ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ، فضیل عیاض رحمۃ اللہ، ذوالنون مصری رحمۃ اللہ،
معروف کرخی رحمۃ اللہ، سہل تستری رحمۃ اللہ، سری سقطی رحمۃ اللہ،
بایزید بسطامی رحمۃ اللہ، یحییٰ معاذ رازی رحمۃ اللہ، شفیق بلخی رحمۃ اللہ،
جنید بغدادی رحمۃ اللہ۔"

کتاب کا یہ طویل ترین باب ہے جو صفحہ ۷ سے لے کر صفحہ ۳۱ تک آیا ہے۔

آغازِ باب میں لفظ تصوف و طریقہ تصوف کی تاریخ چند لفظوں میں بیان کی ہے:

ان المسلمين بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم لم ......افاضلهم فى عصر هم بتسمية علم سدى صحبة رسول الله صلى الله عليه وسلم اولا فضيلة موقها فقيل لهم الصحابة و لما ادركم صل

العصر الثانی سمی من صحب الصحابة التابعین و رأ و ذٰلك اشرف سمة ثم قیل لمن بعد هم اتباع التابعین ثم اختلف الناس و تباینت المراتب فقیل لخواص الناس ممن لهم شدة عنایة بامرالدین الزهاد و العباد ثم ظهرالبدع و حصل التداعی بین الفرق فكل طریق ادعوا ان فیهم زهاد فانضر خواص اهل سنه المراعون انفاسهم مع اللّٰه تعالیٰ الحافظون قلوبهم عن طوارق الغفلة باسم التصوف واشتهر هذا الاسم لهٰو لآء الاكابر قبل للمائتین من الهجرة.

(صفحہ۴۷)

''رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے معاصر مسلمان کے لیے سب سے زیادہ پُرفخر وافضل لقب صحابی کا ہوسکتا تھا چناں چہ اسی لقب سے اس وقت کے افاضل موسوم ہوئے، اس کے بعد جب دوسری نسل پیدا ہوئی تو ان صحابین صحابہ کے لیے تابعین کی اصطلاح چلی اوران کی آنکھیں دیکھنے والے تبع تابعین کہلائے اس کے بعد جب قوم زیادہ پھیلی اور طرح طرح کے لوگ پیدا ہونے لگے تو جن لوگوں کو امورِ دین میں زیادہ غلو وانہاک ہوا انہیں زہاد وعباد کہا جانے لگا لیکن جب بدعتوں کا ظہور ہوا اور فرقہ فرقہ الگ ہوگئے تو ہر فرقہ اس کا مدعی بن بیٹھا کہ زہاد وعباد اسی میں ہیں اس وقت اہل سنت کے طبقۂ خاص نے جو ذکر الٰہی میں مشغول اور غفلتوں سے دُور رہتا تھا اپنے لیے ''اہل تصوف'' کی اصطلاح قائم کی اور ہجرت کو بھی دوصدیاں نہیں

ہوئی تھیں کہ لقب اس طبقہ خواص کے اکابر کے لیے مخصوص ہو گیا۔''

ذیل میں اکابرِ طریقت کی چند حکایات و اقوال نقل کیے جاتے ہیں جن سے اندازہ ہو سکے گا کہ ان حضرات کے نزدیک تصوف کی ماہیت کیا تھی اور اسے موجودہ مشائخ اور پیرزادوں کی رسوم پرستی سے کچھ بھی علاقہ تھا؟

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ جس پایہ کے امام طریقت گزرے ہیں سب کو معلوم ہے، ان کے متعلق یہ واقعہ درج ہے:

قال رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام فقال لی یا بشر اَتَدْرِیْ لِمَ رفعك اللّٰہ من بین اقرانك قلت لا یارسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم قال باتباعك سنتی و خدمتك للصالحین و نصیحتك لاخوانك و محبتك لاصحابی و اھل بیتی، ھو الذی بلغك منازل الابرار.

(صفحہ ۱۱)

''حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ کو خواب میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دولتِ زیارت نصیب ہوئی ارشاد ہوا:

''اے بشر تجھے معلوم ہے کہ خدا نے تیرے معاصرین میں تیری اس قدر عزت افزائی کس بنا پر فرمائی؟''

عرض کیا کہ

''نہیں معلوم۔''

ارشاد ہوا کہ

''میری سنت کی اتباع، صالحین کی خدمت گزاری، اپنے بھائیوں کی خیر اندیشی اور میرے اصحاب و اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ساتھ محبت کی بنا

پر، یہی چیزیں ہیں جنھوں نے تجھے ابرار کے مرتبہ پر فائز کرایا۔''

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ سے دریافت کیا گیا کہ آپ رحمۃ اللہ اس مرتبہ تک کیوں کر پہنچے؟

ارشاد ہوا کہ

''بھوکے پیٹ اور ننگے بدن کے ذریعہ سے۔''①

انھیں بایزید رحمۃ اللہ کو باوجود شورش و سرمستی، اتباعِ سنت میں اس قدر غلو تھا کہ خود فرماتے ہیں کہ

''ایک بار میں نے خدا سے دُعا کرنا چاہی کہ میرے لیے خواہشِ طعام و خواہشِ نساء کو مردہ کر دے مگر معاً یہ خیال آیا کہ جس شے کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لیے نہیں طلب کیا میں اسے کیوں کر طلب کروں اور اس دعا سے باز رہا، اس احترامِ سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صلہ یہ ملا کہ حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے از خود خواہشِ نساء کو میرے لیے اس قدر مُردہ کر دیا ہے کہ میرے نزدیک عورت و دیوار دونوں برابر ہیں۔''②

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ

''ہر صبح شیطان مجھ سے سوال کرتا ہے کہ تیرا کھانا کیا ہے، لباس کیا ہے اور سکونت کہاں ہے؟''

میں جواب دیتا ہوں کہ

''میری غذا موت ہے، میرا لباس کفن ہے اور میرا مسکن قبر

① رسالہ قشیری مطبوعہ مصر ص ۱۴

② ایضاً

ہے۔''①

انھیں بزرگ سے لوگوں نے پوچھا کہ

''آپ رحمۃ اللہ کو خواہشات نہیں پیدا ہوتیں؟''

جواب دیا کہ

''میری سب سے بڑی خواہش یہ رہتی ہے کہ رات تک دن خیریت سے گزر جائے۔''

لوگوں نے عرض کیا کہ

''دن تو خیریت سے گزرتے ہی رہتے ہیں۔''

ارشاد ہوا کہ

''میں خیریت اُسے کہتا ہوں کہ اس روز معاصی الٰہی کا ارتکاب نہ ہو۔''②

حضرت شیخ ابوالحسن احمد حواری رحمۃ اللہ سے منقول ہے کہ

''اتباعِ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے باہر ہو کر کوئی سا بھی عمل کیا جائے باطل ہوگا۔''③

سیّد الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ کے اقوالِ ذیل دورِ حاضرہ میں خصوصیت کے ساتھ قابلِ توجہ و مستحقِ غور ہیں:

''ہم نے تصوف کو قیل و قال کے ذریعہ سے حاصل نہیں کیا بلکہ گرسنگی، ترکِ دنیا اور مرغوب و خوشگوار اشیا کے ترک سے حاصل کیا

---

① ایضاً ص ١٦

② رسالۂ قشیریہ مطبوعہ مصر صفحہ ١٦

③ ایضاً صفحہ

ہے۔"①

"خلق پر تمام راستہ محدود کر دیے گئے ہیں بجز اس کے کہ سنت نبوی ﷺ کے نقشِ قدم پر چلا جائے۔"②

"ہمارا سارا طریقہ کتابِ الٰہی و سنتِ نبوی ﷺ کا پابند ہے۔"③

"جو شخص حافظِ کلام الٰہی و عالمِ احادیث رسول ﷺ نہیں اس کی تقلید دربارۂ طریقت درست نہیں، اس لیے کہ ہمارے اس سارے علم (سلوک) کا ماخذ قرآن وحدیث ہیں۔"④

حضرت شیخ داود رتی رحمہ اللہ کا قول تھا کہ

"دنیا میں سب سے کمزور وہ شخص ہے جو اپنی شہوات کے ضبط پر نہ قدرت رکھتا ہو اور سب سے زیادہ طاقتور وہ ہے جو اس پر قدرت رکھتا اور خدا سے محبت رکھنے کی علامت یہ ہے کہ اس کے طاعات کو اختیار کیا جائے اور اس کے رسول ﷺ کا اتباع کیا جائے۔"⑤

اسی طرح جس قدر حکایات واقوال نقل کیے ہیں ان کا بیشتر حصہ تعظیم شریعت علمِ قرآن و حدیث، اتباعِ سنت نبوی ﷺ، ترکِ لذات، قطعِ علائق ولزومِ مجاہدات و عبادات پر مشتمل ہے۔

---

① ایضاً صفحہ ۱۹

② ایضاً

③ ایضاً صفحہ ۱۹

④ ایضاً

⑤ ایضاً صفحہ ۲۵

(۲) باب دوم (صفحہ ۳۱، ۴۵)

اس کا عنوان ''فی تفسیر الفاظِ تدور بین ہذہ الطائفۃ و بیان مایشکل منہا ہے۔''
اس میں مصطلحاتِ تصوف کی توضیح وتشریح کی ہے، مثلاً وقت، مقام، حال، قبض وبسط، ہیبت وانس، تواجد وجد و وجود، جمع وفرق، فنا وبقا، غیبت وحضور، صحو وسکر، ذوق وشرب، محو واثبات، محاضرہ ومکاشفہ، قرب وبُعد، شریعت وطریقت وحقیقت، نَفَس، علم الیقین، عین الیقین وحق الیقین، وارد وشاہد، روح وغیرہ۔ نمونہ دکھانے کے لیے دوایک تعریفات کے اقتباسات یہاں درج کیے جاتے ہیں:

المحو رفع اوصاف العادة والاثبات اقامة احكام العبادة فمن نفى عن احواله الخصال الذميمة واتى بدلها بالافعال والاحوال الحميدة فهو صاحب محو و اثبات.

(صفحہ ۳۹)

''صفات عادی کے دور ہو جانے کا نام محو اور احکامِ عبادت کے قائم ہو جانے کا نام اثبات ہے پس جس نے اپنے احوال سے صفات بد کو دور کر دیا اور ان کے بجائے افعال واحوال حمیدہ پر قائم ہو گیا وہ صاحبِ محو واثبات ہے۔''

التلوين صفة ارباب الاحوال والتمكين صفة اهل الحقايق فما دام العبد فى الطريق فهو صاحب تلوين لانه يرتقى من حالٍ الى حالٍ و ينتقل من وصف الى وصف و يخرج من مرحل و يحصل فى مربع فاذا و صل تمكن.

(صفحہ ۴۱)

''تلوین اہل حال کی صفت ہے اور تمکین اہل حقیقت کی، بندہ جب تک اثنائے راہ میں ہے برابر ایک حال سے دوسرے حال میں ترقی اور ایک وصف سے دوسرے وصف میں انتقال کرتا رہتا ہے اور اس لیے صاحب تلوین کہلاتا ہے جب راہ سے نکل کر منزل وصل تک پہنچ جاتا ہے تو اسے تمکین حاصل ہو جاتی ہے۔''

الشريعة امر بالتزام العبودية والحقيقة مشاهدة الربوبية، لكل شريعة غير مويدة بالحقيقة فغير مقبول و كل حقيقة غير مقيدة بالشريعة فغير محصول.

(صفحہ ۴۳)

''شریعت نام ہے التزام حکم عبودیت کا اور حقیقت نام ہے مشاہدۂ ربوبیت کا پس جس شریعت کو حقیقت کی تائید نہیں حاصل، وہ غیر مقبول ہے اور جو حقیقت قید شریعت کی پابند نہیں وہ بے حاصل ہے۔''

اس کے بعد احوال، مقامات و مسائلِ تصوف سے متعلق جتنے مہمات عنوانات ہو سکتے ہیں، سب کے متعلق الگ الگ ایک باب بندھا ہے اور اس پر کلامِ الٰہی، احادیثِ رسول ﷺ اور اقوالِ سلف کی روشنی میں گفتگو کی ہے۔

ان ابواب کی فہرست عنوانات حسب ذیل ہے۔ (صفحہ ۴۵، ۱۵۱)

''باب التوبہ، باب المجاہدہ، باب الخلوۃ والعزلۃ، باب التقویٰ، باب الورع، باب الزہد، باب الصحبت، باب الخوف، باب الرجا، باب الحزن، باب الجوع، ترک الشہوۃ، باب الخشوع و التواضع، باب مخالفۃ النفس، باب الحسد، باب الغیبۃ، باب القناعۃ، باب التوکل،

باب الشکر، باب الیقین، باب الصبر، باب المراقبہ، باب الرضاء، باب العبودیۃ، باب الارادۃ، باب الاستقامۃ، باب الاخلاص، باب الصدق، باب الحیا، باب الحریۃ، باب الذکر، باب الفتوۃ، باب الفراستہ، باب الخلق، باب الجود والسخا، باب الغیرۃ، باب الولایۃ، باب الدعاء، باب الفقر، باب التصوف، باب الادب، باب احکامھم فی السفر، باب الصحبۃ، باب التوحید، باب احوالھم عندالخروج من الدنیا، باب المعرفۃ باللہ، باب المحبۃ، باب الشوق، باب حفظ قلوب المشائخ، باب فی السماع۔"

یہ تمام ابواب باوجود اختصار کے وصفِ جامعیت رکھتے ہیں ان ابواب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اکثر کا آغاز قرآن کی کسی نہ کسی آیت سے ہوتا ہے اور یہ امر گویا دلیل ہے مصنف کے اس دعویٰ کی کہ تصوف کا ماخذ کلام مجید ہی ہے چند عنوانات کی آیات افتتاحی ملاحظہ ہوں۔

باب الحزن، قال اللّٰہ عزوجل و قالوا الحمدللّٰہ الذی اذھَبَ عنا الحزن.

باب التقویٰ، قال اللّٰہ تعالیٰ انّ اکرمکم عنداللّٰہ اتقٰکم.

باب الیقین، قال اللّٰہ تعالیٰ والذین یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک و بالاخرۃ ھم یُوقنون.

باب الصبر، قال اللّٰہ تعالیٰ واصبر و ما صبرک الا باللّٰہ.

باب الفتوی، قال اللّٰہ تعالیٰ انھم فتیۃ امنوا بربھم و زدنٰھم ھدی.

باب الحیا، قال اللّٰہ تعالیٰ الَمْ یعلم باَنَّ اللّٰہَ یَری.

آیات قرآنی کے بعد احادیث نبوی ﷺ کو رکھا ہے اور جن ابواب سے متعلق آیات قرآنی درج نہیں کی ہیں انھیں احادیث سے شروع کیا ہے اور یہ اشارہ ہے اس امر کی جانب کہ کلامِ خدا کے بعد تصوف کا دوسرا ماخذ کلامِ رسول ﷺ ہے۔ کتاب (۵۱) اکیاون ابواب یہاں ختم ہو جاتے ہیں۔

(۵۲) باب اثبات کرامات الاولیاء (صفحہ ۱۵۸، ۱۷۵)

یہ باب متعدد فصول میں منقسم ہے جن میں وقوعِ کرامت کے امکان، شرائط وغیرہ پر بحث و گفتگو ہے۔

(۵۳) باب رؤیا القوم (صفحہ ۱۷۵، ۱۸۰)

اس میں ماہیت نوم، رویا، صالحہ، پریشان خوابی و مسائل متعلقہ پر تفصیلی بحث ہے۔

(۵۴) باب وصیۃ للمریدین (صفحہ ۱۸۰، ۱۸۶)

کتاب کا سب سے آخری باب ہے اور اس لحاظ سے سب سے اہم بھی ہے کہ بخلاف ابواب سابقہ کے جن میں مصنف رحمہ اللہ نے عموماً صرف نقل اقوال و حکایات پر اکتفا کی ہے، اس باب میں اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر مریدین و طالبین کے لیے کچھ نصائح بھی تحریر کی ہیں جنھیں مکتبِ تصوف کا دستور العمل بنا چاہیے۔

یہ باب متعدد چھوٹی چھوٹی فصلوں پر تقسیم ہے اور ہر فصل میں کسی اہم حقیقت یا نصیحت کو مختصر الفاظ میں قلم بند کر دیا ہے۔

چند نمونہ ملاحظہ ہوں:

الف:

تصوف کی ساری بنیاد اس پر ہے کہ آدابِ شریعت کی پابندی رہے، حرام و مشتبہ چیزوں سے دست کشی کی جائے، ناجائز اوہام وخیالات سے حواس کو آلودہ نہ ہونے دیا جائے اور غفلتوں سے بچ کر خدائے تعالیٰ کی یاد میں وقت گزاری کی جائے۔

و بناء هذا الامر و ملاكه عَلٰى حفظ آداب الشريعة و صون اليدعن المدالى الحرام و الشبه و حفظ الحواس عنِ المحظورات و عدالانفاس مع اللّٰه تعالیٰ عن الغفلات.

(صفحہ۱۸۵)

ب:

مرید کو ترکِ شہوات کے مجاہدہ میں دواماً مشغول رہنا چاہیے خواہشوں کی پابندی اور پاکیزگی روح کا ساتھ ہو نہیں سکتا اور مرید کے لیے اس سے بدتر پستی کوئی ہو نہیں سکتی کہ جس خواہش کو خدا کے لیے چھوڑ چکا ہے اس کی جانب پھر رجوع کرے۔

و من شان المريد دوام المجاهدة فى ترك الشهوات فان من وافق شهوته عدم صفوته واقبح الخصال للمريد رجوعه الٰى شهوته تركها للّٰه تعالیٰ.

(ایضاً)

ج:

طالب کو اس کی بڑی احتیاط چاہیے کہ ایک مرتبہ جس باب کا عہد خداوند تعالیٰ سے کرلے اسے نہ توڑے، طریقت میں نقضِ عہد کا وہی درجہ ہے جو شریعت میں ارتداد عن الدین کا ہے۔

و من شان المرید حفظ عهده مع اللّٰہ تعالٰی فَإن نقص العهد فی طریقِ الارادة کالردة عن الدین لاهل الظاهر.

(ایضاً)

د:

طالب کو لازم ہے کہ دامانِ آرزو کو بہت نہ پھیلائے، فقیر کو صرف حال سے سروکار رکھنا چاہیے، مستقبل کے متعلق خیالی پلاؤ پکاتے رہنا، اس کے لیے موزوں نہیں۔

و من شان المرید قصر الامل فان الفقیر ابن وقتہٖ فَإذا کان لد تدبیر ....و تطلع لغیر ماهو فیه من الوقت وامل فیما لیستانفه ......منه شی.

(صفحہ ۱۸۰)

ھ:

طالب کو یہ نہ چاہیے کہ مشائخ کے معصوم ہونے کا عقیدہ رکھے البتہ ان سے حسن ظن رکھنا واجب ہے۔

و لا ینبغی للمرید ان یعتقد فی المشائخ العصمة بل الواجب ان یذرهم اوحوالهم فیحسن به الظن و یراعی مع اللّٰہ تعالٰی وحده فیما یتوجه علیه من الامر و العلم کافیه فی التفرقة بین ما هُوَ محمود و ما هو معلول.

(صفحہ ۱۸۲)

و:

اہل دنیا کی صحبت سے طالب کو ہر طرح بچنا چاہیے اور اسے اپنے حق میں زہر قاتل سمجھنا چاہیے، زاہد تقرب الٰہی کے لیے مال کو اپنے پاس سے دور کرتے رہتے ہیں

اور صوفی تحقق الہی کی غرض سے خلائق سے اپنے قلب کو خالی کرتے رہتے ہیں۔

و من شانِ المرید التباعد عن ابناء الدنیا فان صحبتهم سمٌّ مجرب لانهم ینتفون به و هو یذحض بهم قال اللّٰہ تعالیٰ و اهل الصفاء یخرجون الخلق والمعارف من القلب تحققاً باللّٰہ تعالیٰ.

(صفحہ۱۸۶)

ر:

اسی سلسلہ میں حضرت مصنف رحمۃ اللہ ایک اور ''سخت ترین خطرۂ راہ'' (اصعب الآفات فی ہذہ الطریقہ) سے متنبہ کرتے ہیں جس کی تبلیغ دور موجودہ میں ہر صاحب سجادہ کے آستانہ پر، ہر خانقاہ نشین کے دروازے پر ضروری ہے لیکن اسے اردو میں نقل کرنا شاید اکثروں کی آنکھیں نیچی ہو جانے اور چہرہ پر ندامت کی سرخی دوڑنے کا باعث ہو بہتر ہوگا کہ اصل مضمون کا مطالعہ متنِ کتاب میں کیا جائے یہاں صرف آغاز کی دو سطریں درج کی جاتی ہیں:

و من اصعب الافات فی هذه الطریقة صحبة الاحداث و من ابتلاه اللّٰہ تعالیٰ بشیءٍ من ذالك فبا جماع الشیوخ ذلك عبداهانه اللّٰہ عزوجل و حذله بل عن نفسه شغله و لو بالف الف کرامة اهله وهب انه بلغ رتبة الشهداء............الخ

(صفحہ۱۸۴)

باب ۴

فتوح الغیب

(شیخ عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی رحمہ اللہ)

اگر یہ سوال کیا جائے کہ صوفیہ کرام کے مختلف سلاسل وطبقات میں شہرت ومقبولیت سب سے زیادہ کس بزرگ کے حصہ میں آئی ہے تو اس کے جواب میں جو نام نامی متفقہ طور پر سب کی زبانوں پر آئے گا وہ اغلباً حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا ہوگا، دوسرے اکابر کی شہرت عموماً اپنے اپنے حلقوں تک محدود ہے حضرت شیخ جیلانی رحمہ اللہ کا اسم گرامی حدودِ سلسلۂ قادریہ سے متجاوز ہوکر ہر حلقہ ہر سلسلہ ہر طبقہ کے عوام وخواص کی زبان پر مختلف اسماوالقاب کے ساتھ جاری ہے آپ رحمہ اللہ کا زمانہ دورِ قدما کا آخر زمانہ تھا، اس لیے بھی آپ رحمہ اللہ کے ارشادات خصوصیتوں کے ساتھ مستحقِ توجہ وغور ہیں۔

(ا) مصنف ①

اسم مبارک عبدالقادر رحمہ اللہ ہے، ابو محمد کنیت ہے محی الدین لقب ہے، متاخرین

---

① حضرت کے حالات ومناقب کثیر التعداد تذکروں اور تالیفات میں مندرج ہیں، لیکن اکثر مکررات ہیں یعنی ایک دوسرے سے ماخوذ ومنقول ہیں، میرے پیش نظر اس وقت ماخذ ذیل ہیں (۱) نفحات الانس ''جامی رحمہ اللہ'' (۲) سفینۃ الاولیاء، داراشکوہ، (۳) نشر المحاسن العالیہ فی فضل مشائخ الصوفیہ، ''امام عبداللہ یافعی'' (۴) اخبار الاخیار ''شیخ عبدالحق محدث دہلوی'' (۵) قلائد الجواہر فی مناقب شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ ''محمد بن یحیٰ مصری'' جس کا اُردو ترجمہ ''حیاتِ جاودانی'' کے نام سے لاہور میں چھپ چکا ہے، (۶) الطبقات الکبریٰ ''شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ'' جس کا ترجمہ ''نعمتِ عظمیٰ'' کے نام سے آگرہ میں چھپ چکا ہے۔

نے فرطِ عقیدت سے متعدد القاب کا اضافہ کر دیا، محبوبِ سبحانی، غوثِ اعظم، قطبِ ربانی وغیرہ، سلسلۂ نسب جدی سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے اور سلسلۂ مادری سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ تک، اس لیے نام کے ساتھ سیّد حسنی و حسینی لکھا جاتا ہے، سایۂ پدری بچپن ہی میں سر سے اُٹھ گیا۔

ولادت باختلافِ روایات ۴۷۰ھ میں ہوئی، مولد جیلان ہے جو نواح طبرستان میں ایک قصبہ کا نام ہے اور جس کے دوسرا نام گیل جیل و گیلان بھی ہیں، سالِ وفات بالاتفاق ۵۶۱ھ ہے عمر شریف نوے (۹۰) سال کی ہوئی، ماہ ربیع الثانی بھی سب کو مسلم ہے، تاریخ میں البتہ سخت اختلاف ہے، ۸، ۱۰، ۱۱، ۱۳، ۱۷، مختلف روایات منقول ہیں داراشکوہ کی تحقیق میں قول اصح ۹ ربیع الثانی ہے، اٹھارہ سال کی عمر میں بغداد تشریف لائے عمر کا بیشتر حصہ یہیں گزرا، یہیں وصال فرمایا، یہیں مدفون ہوئے۔

سلسلۂ تعلیم میں سب سے پہلے قرآن کو حفظ کیا، پھر ادب، فقہ و حدیث کی باضابطہ تحصیل و تکمیل اپنے زمانہ کے اساتذۂ کاملین سے کی وسعتِ نظر و تبحر علمی کی شاہد خود آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف غنیۃ الطالبین و فتوح الغیب ہیں، مسائل فقہیہ میں مذہب حنبلی رکھتے تھے تدریس، افتا و وعظ کے مشاغل سالہا سال تک جاری رہے اور ایک بڑے گروہ نے علوم ظاہری میں تلمذ حاصل کیا استفتا دور دور سے آتے رہتے آپ رحمۃ اللہ علیہ برجستہ جوابات تحریر کراتے۔

طریقۂ باطنی کی تعلیم شیخ حماد رحمۃ اللہ علیہ، قاضی ابوسعید مبارک مخزومی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ ابویعقوب یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ سے پائی، پیر خرقہ قاضی ابوسعید مخزومی رحمۃ اللہ علیہ تھے، پیر صحبت شیخ حماد رحمۃ اللہ علیہ تھے، نسبتِ ارادت براہ راست، سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تھی، انوار فیوض کا نزول براہ راست سرکارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوتا تھا۔

تذکروں میں کرامت و خرق عادت کے واقعات اس کثرت سے منقول ہیں کہ

شاید کسی دوسرے بزرگ کے نہ ہوں، امام یافعی رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ

''شیخ موصوف رحمۃ اللہ کی کرامات کی تعداد حدِ شمار سے افزوں ہے، اکثر پایہ تواتر کو پہنچی، یا تقریباً پہنچی ہوئی ہیں، داراشکوہ کے الفاظ ہیں:

''اگر آنچہ از آنحضرت در ایام حیات بہ ظہور رسیدہ و آنچہ الحال نیز مشاہدہ نمودہ می شود جمع کنم کتاب کلانے می شد۔''

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ ایک معاصر بزرگ شیخ علی بن ہیتی رحمۃ اللہ کی شہادت نقل کرتے ہیں:

''ندیدم ہیچ یکے از اہل زماں خود را اکثر الکرامات از شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ ہر وقت ہر کہ از ماخواہد کہ از وے کرامتے مشاہدہ کند میکند و خوارق ظاہر گردد، گاہے گاہے در وے و گاہے بوئے۔''

والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ علیہا کا بیان مبارک ہے کہ

''تولد ہوتے ہی احکامِ شریعت کا یہ احترام تھا کہ رمضان بھر دن میں دودھ نہیں پیتے تھے۔''

ایک مرتبہ ۲۹ شعبان کو ابر کے باعث چاند نہ دکھائی دیا، دوسرے روز اس ولی مادرزاد نے دودھ نہیں پیا، بالآخر تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ اس روز یکم رمضان تھی۔

بچپن کا زمانہ تھا، آبادی کے باہر کھیل رہے تھے، ایک گائے کی دم پکڑ کر کھینچی اس نے پلٹ کر یہ کلام کیا کہ

''اے عبدالقادر! اس غرض سے دنیا میں نہیں بھیجے گئے ہو۔''

معاً اسے چھوڑ دیا دل پر ہیبت طاری ہوئی، مکان آ کر بالاخانہ سے دیکھا تو میدانِ عرفات میں حاجیوں کی قطاریں نظر آئیں، والدہ ماجدہ سے آ کر عرض کی کہ

''راہِ خدا طے کرنے کی اجازت دیجیے۔ بغداد جا کر تحصیل علم کروں۔''

انہوں نے سبب پوچھا، کل واقعہ ان سے بیان کیا۔ ان نیک خاتون پر رِقت طاری ہوئی، اٹھ کر گئیں، ایک تھیلی لا کر فرزند نامدار کے ہاتھ میں دے دی اور فرمایا کہ

''بیٹا! تمہارے والد مرحوم کل اسی ۸۰ دینار چھوڑ گئے تھے، چالیس کی امانت تمہارے بھائی کے لیے محفوظ ہے، یہ چالیس تمہارے حوالہ، میری نصیحت و وصیت جو کچھ سمجھواتی ہے کہ راستی کو کسی حالت میں کبھی نہ چھوڑنا، جاؤ تمہیں خدا کو سونپا، اب قیامت کے دن دیکھنے کو ملو گے۔''

راستہ میں ڈاکوؤں نے قافلہ پر حملہ کیا ہر شخص مال چھپانے اور جان بچانے کی فکر میں ہوا، مگر اس سعادت مند فرزند اور خدا کے برگزیدہ بندہ نے صاف صاف اپنے پاس کی مالیت کو بیان کر دیا۔ قزاق راستبازی کی اس معجز نما مثال سے حیران ہو گئے بالآخر اپنے پیشہ سے تائب ہو کر داخلِ بیعت ہوئے۔

منزلِ صدق میں اسی قیام و استقامت کا یہ نتیجہ تھا کہ آگے چل کر وہ مرتبہ اعظم حاصل ہوا جو مقام صدیقیت کے لیے مخصوص ہے اور جو رہروؤں کے لیے تو کیا، اچھے اچھے رہبروں اور بڑے بڑے رہنماؤں تک کے لیے باعث رشک ہے فرماتے تھے کہ

''جب تک پہننے کا حکم نہیں ملتا ہے نہیں پہنتا ہوں، جب تک کھانے کا حکم نہیں ملتا ہے، نہیں کھاتا ہوں، جب تک بولنے کا حکم نہیں ملتا نہیں بولتا ہوں۔''

تصانیف متعدد چھوڑیں جن میں مندرجہ ذیل یا خود موجود ہیں یا ان کے نام

دوسری کتابوں میں محفوظ ہیں۔

۱۔غنیۃ الطالبین

فقہ کی مشہور کتاب ہے، ہندوستان ومصر میں چھپ چکی ہے۔

۲۔فتوح الغیب

فن سلوک پر۔

۳۔الفتح الربانی معروف بہ شش مجالس

مجموعۂ مواعظ۔

۴۔جلاء الخاطر

۵۔یواقیت والحکم

۶۔الفیوضات الربانیہ فی الاوراد القدسیہ

۷۔حزب بشائر الخیرات، المواہب الرحمانیہ والفتوح الربانیہ

یہ سب نام پروفیسر مارگولیتھ نے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں آرٹیکل الشیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ کے تحت میں درج کیے ہیں۔

یہ تمام تصانیف، بہ قول مارگولیتھ کے مصنف کے فضل وکمال تفقہ فی الدین، و تبحرِ شریعت پر شاہد عادل ہیں

بادشاہوں سے ہدیہ نہیں قبول فرماتے تھے، ان کے علاوہ اگر کوئی شخص تحفہ لاتا، قبول فرمالیتے اور اسی وقت حاضرین میں تقسیم کردیتے، ایک روز خلیفۂ وقت مستنجد باللہ نے حاضر ہوکر اشرفیوں کے دس توڑے پیش کیے، حسب معمول انکار فرمایا، اُدھر سے اصرار شدید ہوا۔

حضرت نے ایک توڑا اپنے داہنے ہاتھ اور ایک بائیں ہاتھ میں اٹھا کر دونوں کو رگڑا، تو اشرفیوں سے خون بہنے لگا خلیفہ سے ارشاد ہوا کہ

"اللہ سے شرم نہیں آتی کہ انسان کا خون کھاتے ہو اور اسے جمع کر
کے میرے پاس لاتے ہو۔"

خلیفہ پر اتنا اثر پڑا کہ غشی کی نوبت آ گئی۔

عادت مبارک خلیفۂ وقت یا کسی صاحب ثروت کے ہاں جانے کی نہ تھی اور نہ کبھی امرا کی تعظیم فرماتے، جب خلیفہ کی آمد سنتے اٹھ کر مکان کے اندر چلے جاتے، اور پھر باہر نکل کر آتے تا کہ خلیفہ کی تعظیم کے لیے اٹھنا نہ پڑے، جب خلیفہ کے نام نامۂ مبارک کی ضرورت پیش آتی، تو یوں تحریر فرمایا جاتا کہ

"یہ عبدالقادر کا تجھ سے ارشاد ہے اور اس کا ارشاد تیرے اوپر نافذ
ہے۔"

خلیفہ ان تحریروں کو سر اور آنکھوں پر جگہ دیتا۔

صحیفۂ زندگی کی ایک ایک سطر احکام شرعیہ کے مطابق تھی، مکتوبات و مواعظ کا ایک ایک لفظ آیاتِ کلام مجید سے مستند و مستنبط ہوتا تھا، تعلیمات میں سب سے زیادہ زور پابندیٔ شریعت و اتباعِ سنت پر تھا وصال سے ذرا پہلے اکابر مشائخ عصر کا مجمع تھا، بڑے صاحبزادے شیخ سیف الدین عبدالوہاب رحمہ اللہ نے عرض کی کہ

"حضرت! کچھ وصیت فرمایئے۔"

جواب میں ارشاد ہوا:

عليك بتقوى الله و طاعة و لا تخف احدا و لا ترج و
و كل الحوائج الى الله و اطلبها منه و لا تتق باحدٍ سوى
الله خذالتوحيد التوحيد اجماع الكل.

"خدا کے تقویٰ اور طاعت کو اپنے اوپر لازم رکھو، بجز خدا کے کسی سے
خوف یا امید نہ رکھو، تمام حاجات کو خدا ہی کو سونپ دو، اور اسی سے

طلب کرتے رہو، بجز خدا کے کسی پر اعتماد نہ رکھو لازم رکھو اپنے اوپر،
توحید کو، توحید کو، توحید کو کہ اسی پر سب کا اجماع ہے۔''

کثرتِ عبادات و ریاضات کا اندازہ اِن روایات سے کیا جا سکتا ہے کہ چالیس سال تک عشا کے وضو سے نمازِ فجر ادا کی، پندرہ سال تک یہ معمول رہا کہ بعد عشا پورا کلام مجید ختم فرماتے تھے پچیس سال تک صحرا میں اس تنہائی کے ساتھ بسر کی کہ انسان کی شکل بھی نہیں دیکھی۔

سالہا سال کی عبادتوں، ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد خود بیان فرماتے ہیں کہ

''ایک بار مجھے بہت بڑا نور نظر آیا، جو دیکھتے دیکھتے سارے افق پر چھا گیا اور اس میں سے آواز آئی کہ
''اے عبدالقادر! میں تمہارا پروردگار ہوں۔ میں نے تمہارے لیے حرام چیزوں کو حلال کر دیا۔''
میں نے لاحول ولاقوۃ پڑھ کر کہا کہ ''دور ہو ملعون''، بس وہ نور تاریکی میں گیا اور اس میں سے آواز آئی کہ
''عبدالقادر! تم اپنے علم کی قوت سے مجھ سے بچ گئے ورنہ میں تمہارے مثل ستر کاملوں کو گمراہ کر چکا ہوں۔''
میں نے کہا:
''معلون! تو اب بھی مجھے گمراہ کرنے میں لگا ہوا ہے کہتا ہے کہ تم اپنے علم کی قوت سے بچ گئے حالاں کہ مجھے بچانے والی میری کوئی قوت نہیں محض اللہ کا فضل و کرم ہے۔''

(۲) تصنیف

آج سے تین ساڑھے تین سو سال اوپر فتوح الغیب دنیا کے لیے پردۂ غیب میں تھی، شیخ سیف الدین عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۰۵۱ھ) جب فریضۂ حج ادا کرنے گئے، تو مکہ معظمہ میں شیخ عبدالوہاب متقی قادری کے ہاں ایک نسخہ اس کتاب کا ان کی نظر سے گزرا، ہندوستان واپس آئے تو ایک دوسرا نسخہ یہاں بھی نظر آیا، اس کا انہوں نے فارسی میں ترجمہ کیا اور مفتاح الفتوح کے نام سے شرح لکھی، فتوح الغیب کا موجودہ مطبوعہ نسخہ شیخ عبدالحق ہی کی تہذیب و ترتیب دیے ہوئے نسخہ کی نقل ہے جو اُن کی شرح کے ساتھ لاہور و لکھنؤ میں شائع ہوا ہے۔

کتاب حمد و نعت کے علاوہ، اٹھتر (۷۸) مختصر مقالات میں تقسیم ہے، آخر میں چند اوراق مصنف رحمہ اللہ کے حالاتِ مرض الموت و وفات وغیرہ سے متعلق مرتب نے اضافہ کیے ہیں۔

ا۔ مقالہ اوّل

تعمیلِ اوامر و اجتنابِ نواہی و رضا بالقضاء پر ہے، (صفحہ ۱۰۰۹) فرماتے ہیں کہ:

لابد لکل مومن فی سائر احواله من الثلثة اشیاء امر تمثیله و نهی یجتنبه و قدیر یرضی به فاقل حالة لا یخلوالمومن فیها من احد هذه الاشیاء الثلثة......الخ

''ہر مومن کے لیے ہر حال میں یہ تین چیزیں لازمی ہیں، ایک یہ کہ اوامرِ الٰہی کی تعمیل کرتا رہے، دوسرے یہ کہ منہیات سے بچتا رہے، تیسرے قضا و قدرِ الٰہی پر راضی رہے پس مومن کے لیے کم سے کم

مرتبہ یہ ہے کہ کسی حالت میں وہ ان تینوں چیزوں سے خالی نہ ہو۔"

(۲) مقالہ دوم

اتباعِ سنت و ترکِ بدعت (صفحہ ۱۰۔۱۴) پر ہے، اس کا یوں آغاز فرماتے ہیں:

اتبعوا و لَا تبدعو و اطیعوا و لا تمزقوا و وحّدوا و لا تشرکوا و یفعل اللّٰہ ما یشاء و یحکم ما یرید و تنزھوا الحق و لا تتھموا و صدقوا و لَا تشکوا واصبروا و لا تجزعوا واجتمعوا عَلَی الطاعۃ و لَا تتفرقوا.

"پیرویِ سنت کرتے رہو اور راہِ بدعت نہ اختیار کرو، اطاعت کرو اور دائرۂ اطاعت سے باہر نہ آؤ، توحید خداوندی کو مانو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ کہ وہی جو کچھ چاہتا ہے اپنی مشیت و ارادہ سے وہی کچھ کرتا ہے، خداوند تعالیٰ کو ہر نقص و عیب سے پاک سمجھو اور اس پر تُہمت نہ لگاؤ، اس پر اعتماد رکھو اور شک و گمان میں نہ پڑو صبر سے کام لیتے رہو اور بے صبری نہ کرو، طاعتِ حق پر جمع ہو اور جماعت میں تفرقہ نہ ڈالو۔"

اس مقالہ میں یہ تعلیم بھی ہے کہ گناہوں سے توبہ کرنے اور غفلت کے دور کرنے میں تاخیر نہ کرو اور شب و روز استغفارِ تقصیرات و رجوع الی اللہ کرنے کو اپنے اوپر بار نہ سمجھو۔

(۳) مقالہ سوم

اس عنوان سے متعلق ہے کہ ابتلا و مصائب سے بندہ کے لیے کیا مقصود ہوتا ہے (صفحہ ۱۴۔۱۸) اس میں نہایت خوبی و صحت کے ساتھ سالک کی نفسیت کی تشریح کی ہے،

فرماتے ہیں کہ

''انسان پر جب کسی قسم کا کوئی درد دکھ وارد ہوتا ہے تو سب سے پیشتر تو وہ اپنی ذاتی قوت وتدبیر سے اس کے دفع کی کوشش کرتا ہے جب اس میں کامیابی نہیں ہوتی تو خلق کی جانب رجوع کرتا ہے، مثلاً سلاطین، امرا، اہل ثروت وغیرہ یا اگر بیمار ہے تو اطبا کی جانب جب اس میں بھی ناکام ہو جاتا ہے تو پروردگارِ عالم کی درگاہ میں دُعا وتضرع کے ذریعہ سے حاضر ہوتا ہے، انسان کی فطرت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ جب تک وہ خود دفعِ مضرت پر قادر ہے، خلق سے بے نیاز رہتا ہے، جب اپنے تئیں مجبور پاتا ہے، تو خلق کے سامنے دستِ اعانت دراز کرتا ہے، جب ادھر سے بھی سہارا نہیں رہتا تو خالق کے آستانہ پر جبینِ نیاز رگڑتا ہے اور نہایت خضوع وخشوع، الحاح وزاری کے ساتھ کبھی امیدوارانہ اور کبھی مایوسانہ دعا میں مشغول ہو جاتا ہے، جب خدا اس کو اس میں بھی ناکام رکھتا ہے اور اس کی دُعا نہیں قبول کرتا تو رفتہ رفتہ اس کی نظر میں تمام اسباب بے حقیقت ہو جاتے ہیں اور اسے انقطاع الی اللہ حاصل ہو جاتا ہے اس وقت بندہ تمام تعلقات سے آزاد، روح مجرد رہ جاتا ہے اور اوصافِ بشریت ہوا و ہوس وخواہش وآرزو وغیرہ اس سے رخصت ہو جاتے ہیں، اس وقت اتنی صفائی باطن نورانیت قلب حاصل ہو جاتی ہے کہ اسے ہر فعل کی فاعل حقیقی صرف خدائے تعالیٰ ہے اور ہر راحت وسکون، ہر خیر وشر، ہر سُود وزیاں، ہر عطا وبخل، ہر کشایش وبستگی، ہر موت وحیات، ہر عزت وذلت، ہر تونگری وافلاس کی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں

کہ وہ قادر مطلق ہی کی قدرت کا ایک ظہور ہے۔"

تا آنکہ یہ سلسلہ معرفت کامل پر جا کر منتہی ہوتا ہے یعنی بندہ کو ہر شے کا مرجع ومبدء ذات خداوندی محسوس ہونے لگتی ہے، اسرارِ قدرت اس پر روشن ہونے لگتے ہیں، وہ خالق ہی کے کان سے سنتا ہے اسی کی حمد وثنا، شکر ودعا میں لگ جاتا ہے۔

مقالاتِ ذیل کی نوعیتِ مباحث کا اندازہ جس میں ہر ایک بجائے خود نہایت اہم دل چسپ وبصیرت افزا ہے ان کے عنوانات سے ہوگا۔

(۴) المقالۃ الرابع

فی مراتب الموت عن الخلق والارادۃ (صفحہ ۱۸۔۲۵)

(۵) المقالۃ الخامس

فی تشبیہ حال الدنیا واشتغال اہلہا بہا (صفحہ ۲۵۔۲۶)

(۶) المقالۃ السادس

فی الغناء من الخلق والہوٰی (صفحہ ۲۶۔۴۰)

(۷) المقالۃ التاسع

فی بیان الکشف والمشاہدہ (صفحہ ۶۰۔۶۴)

(۱۰) المقالۃ العاشر

فی بیان مخالفۃ النفس (۶۴۔۷۸)

(۱۳)المقالۃ الثلثۃ عشر

فی التسلیم علی قضاء اللہ وقدرہٖ (صفحہ۸۱۔۸۹)

(۱۶)المقالۃ السادسۃ عشر

فی المنع من الاعتماد علی الخلق والاسباب (۹۴۔۱۰۰)

(۱۷)المقالۃ السابعۃ عشر

فی معنی الوصول الی اللہ سبحانہ (صفحہ۱۰۰۔۱۰۸)

(۱۸)المقالۃ الثامنۃ عشر

فی بیان معنی الرضاء (صفحہ۱۰۸۔۱۱۵)

(۲۳)المقالۃ الثالثۃ والعشرون

فی بیان القناعۃ (۱۵۸۔۱۶۹)

(۲۷)المقالۃ السابعۃ والعشرون

فی بیان الخیر والشر (صفحہ۱۵۸۔۱۶۹)

(۳۸)المقالۃ الثامنۃ والثلثون

فی بیان الصدق والاخلاص فی سبحانہٖ تعالیٰ (صفحہ۲۲۷۔۲۲۸)

(۴۸) المقالۃ الثامنۃ والاربعون

فی حماقۃ من اشتغل بالنوافل وعلیہ فرائض (صفحہ ۲۷۴۔۲۷۵)

(۵۰) المقالۃ الخمسون

فی الزہد (صفحہ ۲۷۹۔۲۸۳)

(۶۱) المقالۃ الحادی والستون

فی بیان الورع والتقویٰ (صفحہ ۳۴۱۔۳۴۴)

(۶۳) المقالۃ الثلثۃ والستون

فی بیان الاخلاص والریا (صفحہ ۳۴۸۔۳۴۹)

(۷۱) المقالۃ الحادی والسبعون

فی الصبر علی البلاء (صفحہ ۳۷۹۔۳۸۴)

(۷۸) المقالۃ الثامنۃ والسبعون

فی بیان الخصال العشرۃ اور باب المحاسبۃ والمجاہدۃ (صفحہ ۴۰۶۔۴۱۸)

ذیل میں مختلف ابواب سے چند اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں:

باب (۷۵)

اس میں اپنے صاحبزادے کو وصایا ارشاد فرماتے ہیں گویا وہ طریقہ تعلیم کرتے

ہیں جس پر چلنے سے انسان عارف کامل بن سکتا ہے۔ آج کل کے مشائخ کو یہ دیکھ کر حیرت ہوگی کہ اس وصیت نامہ میں ان کے مروجہ اشغال و مراسم کا کہیں ذکر نہیں بلکہ تمام تر پابندی شریعت، ضبطِ نفس و مجاہدہ کی تعلیم ہے، ارشاد ہوتا ہے:

اوصیك بتقوی اللّٰہ فطاعته لزوم ظاهر الشرع و سلامة الصدر سخا النفس و بشاشة الوجه و بذل الندی و کف الاذی و حمل الاذی و الفقر و حفظ حرمات المشائخ و حسن العشرة مع الاخوان و النصیحة لِلّٰہِ صاغر و ترك الخصومة فی الارفاق و ملازمة الایثار و مجانبةِ الادّخار.

(صفحہ ۳۹۵-۳۹۶)

"میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ خدا کا تقویٰ و طاعت اختیار کرو اور شریعت ظاہری کی پابندی لازمی رکھو اور سینہ کو (خواہشات و خبائثِ نفس سے) محفوظ رکھو اور نفس میں جوانمردی رکھو اور کشادہ رُو رہو اور جو شے عطا کرنے کے قابل ہے اسے عطا کرتے رہو اور ایذا دہی سے باز رہو اور آزارِ خلق و آدابِ درویشی کا تحمل کرتے رہو اور حرمتِ مشائخ نگاہ میں رکھو اور برابر والوں سے حُسنِ معاشرت رکھو اور خردوں کو نصیحت کرتے رہو اور اپنے رفیقوں سے جنگ نہ کرو اور ایثار کو اپنے اوپر لازم کرلو، اور ذخیرۂ مال فراہم کرنے سے بچو۔"

فقر کی حقیقت دو لفظوں میں بیان فرمادی ہے:

و حقیقة الفقر ان لا تفتقر الی من هو مثلك.

(صفحہ ۳۹۶)

''فقر کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی جیسی کسی ہستی کا محتاج نہ رہ (یعنی صرف خدا سے واسطہ رہے اور مخلوقات سے مطلق نہ رہے)''

والتصوف ما اخذ من القيل والقال و لكن اخذ من الجوع و قطع المعروفات والمستحسنات.

''تصوف کی تحصیل کس طریقہ سے انسان کے لیے ممکن ہے؟ قیل وقال، بحث ومباحثہ کے ذریعہ سے نہیں بلکہ گرسنگی سے اور دنیا کی خوشگوار و محبوب اشیا کے ترک سے۔''

تصوف کی بنیاد کاران آٹھ خصلتوں پر ہے، جن میں سے ہر ایک کا مظہر ایک ایک نبی اولوالعزم ہوا ہے، ان کے آثارِ قدم کی پیروی طالبِ تصوف کے لیے ناگزیر ہے۔

التصوف مبنى علىٰ ثمان خصال السخا لابراهيم والرضا للاسحاق والصبر للايوب ولاشارة لزكريا و الغربة ليحيٰى و لبس الصوف لموسٰى والسياحة لعيسٰى علیہ السلام والفقر لمحمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم.

''تصوف مبنی ہے آٹھ فصلوں پر، ① سخاوت ابراہیم علیہ السلام پر، ② رضائے اسحٰق علیہ السلام پر، ③ صبر ایوب علیہ السلام پر، ④ مناجاتِ زکریا علیہ السلام پر، ⑤ غربتِ یحیٰی علیہ السلام پر، ⑥ خرقہ پوشی موسیٰ علیہ السلام پر، ⑦ سیاحت (یا تجرد) عیسیٰ علیہ السلام پر اور ⑧ فقرِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر۔''

ایک پیر مرد نے خواب میں آپ سے دریافت کیا کہ خدا سے بندہ کو قریب کرنے والی کیا شے ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ جو شے تقرب باری پیدا کرتی ہے، اس کی ایک ابتدا ہے اور ایک انتہا ہے، ابتدا اس کی ورع ہے اور انتہا اس کی رضا وتسلیم وتوکل ہے۔

(صفحہ ۲۷۳)

آج بہت سے اہلِ غفلت کا یہ حال ہے کہ پابندیِ فرائض و تعمیلِ نصوص قطعیہ کی جانب سے غافل و ست ہیں اور ادائے نوافل و اوراد و وظائف میں مستعد اور خاص اہتمام رکھنے والے، اس طبقہ کی بابت ارشاد ہوتا ہے:

ینبغی للمومن ان یشتغل اوّلاً بالفرائض فاذا افرغ منها اشتغل بالسنن ثم یشتغل بالنوافل و الفضائل فمن لم یفرغ من الفرائض فالاشتغال بالسنن حمق و رعونة فان اشتغل بالسنن والنوافل قبل الفرائض لم یقبل منه راهین.

(صفحہ ۲۷۴)

''مومن کو چاہیے کہ سب سے پہلے فرائض پر متوجہ ہو، جب یہ ادا کر چکے تب سنتوں کو اختیار کرے، اس کے بعد نوافل پر متوجہ ہو لیکن جو شخص اپنے فرائض سے فارغ نہیں ہو چکا ہے اس کے لیے سنتوں میں مشغول ہو جانا حماقت و نادانی ہے اس لیے کہ ادائے فرائض سے قبل سنن و نوافل غیر مقبول رہیں گے اور جو شخص ایسا کرے گا خوار ہو گا۔''

فمثله کمثل رجل یَدْعُوْہ الملك الی خدمته فلا یأتِی الَیْهِ و یقف بخدمة الامیر الذی هو غلام الملك و خادمه و تحت یدیه.

(صفحہ ۲۷۵)

''فرائض کو چھوڑ کر سنن و نوافل میں مشغول ہونے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ اسے بادشاہ اپنی خدمت کے لیے بلا رہا ہو اور وہ

بادشاہ کے حضور میں تو نہ جائے اور ایک امیر کی خدمت میں لگا رہے،
جو خود اس بادشاہ کا زیر دست، خادم اور غلام ہے۔''
''نمازی جب تک فرائض نہ ادا کرے اس کے نوافل غیر مقبول رہتے
ہیں۔''

(صفحہ ۲۷۶)

''اسی طرح اس نمازی کے نوافل بھی جو سنتوں کو چھوڑ کر نوافل ادا کر
رہا ہے۔''

(ایضاً)

''شرک محض اصنام پرستی کا نام نہیں، بلکہ خواہشِ نفس کی پیروی کرنا، یا
خدا کے علاوہ غیر خدا کی طلب کرنا، یہ سب شرک ہے۔''

(صفحہ ۴۲۔۴۳)

اس اجمالی مطالعہ کے بعد ارشاد ہو کہ آج اکثر خانقاہوں اور درگاہوں میں جن رسوم کو فقر و تصوف کہہ کر پکارا جا رہا ہے، انھیں حضرت الشیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ کے تعلیم کیے ہوئے فقر و تصوف سے دور کی بھی کوئی مناسبت ہے؟

باب ۵

عوارف المعارف

(شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ)

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ، حضرات صوفیہ میں نہ صرف ایک مسلم امام ہوئے ہیں، بلکہ ایک مستقل سلسلہ (سہروردیہ) کے بانی بھی تسلیم کیے جاتے ہیں اور اسی نسبت سے اُن کی کتاب عوارف المعارف کو مرتبہ استناد و قبول عام بھی حاصل ہے اصل عربی میں کئی بار چھپ چکی ہے، فارسی میں ایک سے زائد ترجمے ہو چکے ہیں، اُردو میں بھی ترجمہ نکل چکا ہے، متاخرین کے سلوک کے علمی حصہ کا بڑا ماخذ یہی کتاب ہے۔

(۱) مصنف

پورا نام ابوحفص شہاب الدین عمر بن محمد البکری سہروردی ہے، عام لقب شیخ الشیوخ تھا، معاصر صوفیہ دور دور سے دریافتِ مسائل میں ان سے رجوع کرتے ① قیام بغداد میں رہتا تھا۔

① نفحات الانس صفحہ ۵۴۵، (مطبوعہ کلکتہ)

ولادت ماہ رجب ۵۳۹ ہجری میں ہوئی①، ۹۳ سال عمر طبعی پائی، انتقال محرم ۶۳۲ ہجری میں کیا۔② مزار بغداد میں ہے، مولد سہرورد تھا جو عراقِ عجم کا ایک قصبہ ہے۔ والد ماجد کا نام شیخ محمد قریشی تھا۔③، سلسلۂ نسب بارہ پشتوں سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک منتہی ہوتا ہے۔④

ابتداءً اپنے حقیقی چچا شیخ ابوالنجیب سہروردی رحمہ اللہ کے مرید ہوئے اور پرورش بھی انھیں کے سایۂ عاطفت میں پائی، لیکن طبیعت کا رجحان علم کلام کی جانب تھا، متعدد کتابیں اس فن میں ازبر کر لی تھیں، چچا اکثر اس فن سے مانع ہوا کرتے تھے لیکن اثر نہ ہوتا تھا۔ ایک روز حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کو بھی ہمراہ لیا اور ان سے فرمایا کہ

''دیکھو ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہو رہے ہیں جن کا قلب خدا تعالیٰ کی خبر دیتا ہے ان کے دیدار کی برکات حاصل کرنا۔''

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی خدمت مبارک میں پہنچ کر انھوں نے عرض کی کہ

''حضرت! یہ میرا بھتیجا علم کلام میں مشغول رہا کرتا ہے، ہر چند منع کرتا ہوں، باز نہیں آتا۔''

حضرت نے ان مخاطب ہو کر دریافت کیا کہ

''عمر کون کون سی کتابیں پڑھی ہیں؟''

---

① ایضاً و سفینۃ الاولیاء

② سفینۃ الاولیاء صفحہ ۱۱۳ (مطبوعہ لکھنؤ)

③ ---------

④ ---------

انہوں نے نام گنائے۔ حضرت رحمۃ اللہ نے سن کر اپنا دست مبارک ان کے سینہ پر

پھیرا ان کا بیان ہے کہ:

''ہاتھ کا پھرنا تھا کہ بخدا ایک لفظ بھی مجھے ان کتابوں کا یاد نہ رہ گیا، خدا نے معاً تمام مسائل کلامیہ میرے دل سے محو کر دیے اور قلب کو علم لدنی سے مملو کر دیا۔''①

علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے اریتقی کے الفاظ ہیں:

کان فقیهًا فاضلًا صوفیاً ورعاً زاهدًا عارفًا شیخ وقته فی علم الحقیقة و الیه المنتهی فی تربیة المریدین.

(مدینۃ العلوم)

شیخ کے مریدین بہ کثرت تھے اور مشہور فاضلین و کاملین، جو بجائے خود صاحبانِ سلسلہ ہوئے ہیں مثلاً شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ، شیخ حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ، شیخ نجیب الدین علی برغش رحمۃ اللہ وغیرہم۔②

تصانیف کثیر چھوڑیں چند کے نام معلوم ہیں، رشف النصائح، اعلام الہدیٰ فی عقیدۃ ارباب التقی، بہجت الاسرار (درمناقب غوث الاعظم رحمۃ اللہ)③ سب سے زیادہ مشہور عوارف المعارف ہے جس کا سالِ تصنیف ۵۶۰ھ ہے۔

(۲) تصنیف

کل کتاب دو حصوں میں ہے اور ۶۳ بابوں پر شامل ہے، ۳۲ باب حصہ اوّل میں ہیں اور ۳۱ حصۂ دوم میں۔

---

① سفینۃ الاولیاء ② ایضاً

③ نفحات و خزینہ

خطبۂ کتاب میں حمد ونعت کے بعد ہی سببِ تالیف کتاب یہ بیان کرتے ہیں کہ گروہِ صوفیہ میں انحطاط پیدا ہو چلا ہے، ان کے اعمال فاسد ہوتے جاتے ہیں، ان کے نقال بہت سے پیدا ہو گئے ہیں، اتباعِ کتاب وسنت کا سر رشتہ ہاتھوں سے چھوٹ گیا ہے اور خلقت حقیقتِ تصوف کی جانب سے بدگمان ہو چلی ہے۔

اس کے بعد ابوابِ کتاب کی فہرست درج کرتے ہیں، جو اس زمانہ کے مصنفین کے لیے ایک نادر شے ہے اس کے خاتمے پر حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد کہ

''ہمارے اس علم (طریقت) کی بساط سالہا سال ہوئے کہ لپیٹ کر رکھ دی گئی۔''

اور ہم اب اس کے حاشیہ پر گفتگو کر رہے ہیں بہ صد حسرت وتاسف فرماتے ہیں کہ

بدا هذا القول منه فی وقته مع قرب العهد بعلماء السلف و صالحی التابعین فكيف بنا مع بعد العهد و قلته العلماء الزاهدين والعارفين بحقائق علوم الدين

''یہ اس وقت ارشاد ہوا تھا درآں حالیکہ وہ زمانہ علمائے سلف وصلحا تابعین سے قریب تھا، پس ہمارا کیا حال بیان ہو جبکہ اس قدر زمانہ اور گزر چکا ہے اور علمائے زاہدین اور عارفینِ حقایق دین کم ہو گئے ہیں۔''

انحطاطِ تصوف کی یہ صورت ۵۶۰ھ میں تھی، فرزندانِ حال کو اس پر قیاس کرنا چاہیے کہ تقریباً آٹھ سو برس اور گزرنے کے بعد آج یہ پستی کس حد تک پہنچ گئی ہوگی؟

مطالبِ کتاب کا ایک سرسری واجمالی اندازہ عنوانات وابواب سے ہوگا:

(۱) فی ذکر منشا علوم الصوفیہ

اس میں علم تصوف وعلوم متعلقہ کی ابتدائی تاریخ اور ان کا مبد ومنشا بیان کیا ہے۔ (صفحہ ۵۔۱۰)

(۲) فی ذکر تخصیص الصوفیہ بحسن الاستماع

اس میں کلامِ خدا اور کلامِ رسول ﷺ کے حسنِ استماع اور اُس کی برکات کا ذکر ہے۔ (صفحہ ۱۱۔۱۶)

(۳) فی بیان فضیلۃ علوم الصوفیہ والاشارۃ الی انموذج منھا، (صفحہ ۱۶۔۲۵)

(۴) فی شرح حال الصوفیہ واختلاف طرقھم، (صفحہ ۲۶۔۲۹)

(۵) پانچواں باب ماہیتِ تصوف پر ہے (صفحہ ۲۹۔۳۲)

(۶) چھٹا باب تصوف کی وجہِ تسمیہ پر (صفحہ ۳۲۔۳۶)

(۷تا۹) ساتویں سے نویں تک تین باب متصوف، ملامتی اور مصنوعی اہل تصوف سے متعلق ہیں، (صفحہ ۳۶۔۴۴)

(۱۰) دسویں باب میں مرتبہ مشیخت کی شرح ہے (صفحہ ۴۴۔۴۹)

(۱۱) فی شرح حال الخادم ومن تشبہ بہ (صفحہ ۴۹۔۵۱)

(۱۲) بارہواں باب

خرقۂ مشائخ سے متعلق ہے (صفحہ ۵۱۔۵۵)

(۱۳تا۱۵) تیرھواں تا پندرھواں باب

یہ تین باب اہل خانقاہ و اہل صفہ کی باہمی نسبت و تعلقات کے بیان میں ہیں۔ (صفحہ ۵۵۔۶۳)

(۱۶تا۱۸) سولہویں تا اٹھارویں باب

یہ تین باب صوفیہ کے آدابِ سفر و قیام اور ان کے متعلقات پر ہیں۔

(صفحہ ۶۳۔۷۷)

(۱۹) فی حال الصوفی المتسبب (صفحہ ۷۷۔۸۱)

(۲۰) فی ذکر من یاکل من الفتوح (صفحہ ۸۰۔۸۶)

(۲۱) صوفیہ متجر دو متاہل کے احوال و مقاصد میں (صفحہ ۸۶۔۹۱)

(۲۲ تا ۲۵) یہ چار ابواب، سماع اور اس کے متعلقات و شرائط کی نذر ہیں۔ (صفحہ ۹۱۔۱۰۹)

(۲۶) تا (۲۹) ان ابواب ثلثہ کا موضوع صوفیہ کی چلہ کشی اور اس کے آداب و شرائط ہیں۔ (صفحہ ۱۰۹۔۱۲۰)

(۲۹) تا (۳۰) اخلاقِ صوفیہ کا بیان، (صفحہ ۱۲۰۔۱۴۵)

(۳۱) فی ذکر الادب ومکانہ من التصوف، (صفحہ ۱۴۵۔۱۴۷)

(۳۲) فی آدابِ الحضرۃ الالٰہیۃ لاہل القرب، (صفحہ ۱۴۷۔۱۵۰)

جلد اوّل، باب سوئم و دوم پر ختم ہوتی ہے، باب دوم وسوم سے جلد ثانی کا آغاز ہوتا ہے۔

(۳۳) تا (۳۵) مقدمات طہارت، وضو و اسرارِ وضو کا بیان (صفحہ ۲۔۸)

(۳۶) تا (۳۸) نماز اور اس کے فضائل، آداب و اسرار کا بیان (صفحہ ۸۔۲۲)

(۳۹) تا (۴۱) روزہ اور اُس کے فضائل و اسرار کا بیان (صفحہ ۲۳۔۲۷)

(۴۲ و ۴۳) طعام اور اُس کے مقاصد و مصالح اور آداب کا بیان (صفحہ ۲۷۔۳۳)

(۴۴) آداب ولباس پر (صفحہ ۳۳۔۳۷)

(۴۵) فضائلِ شب بیداری پر (صفحہ ۳۷۔۳۹)

(۴۶) ان اسباب و حالات کے بیان میں، جو شب بیداری میں معین ہوتے

ہیں (صفحہ ۳۹۔۴۱)

(۴۷) فی ادب الانتباہ من النوم والعمل باللیل، (صفحہ ۴۱۔۴۵)

(۴۸) عباداتِ شب کی تقسیم میں، (صفحہ ۴۵۔۴۷)

(۴۹) فی استقبال النہار والادب فیہ والعمل (صفحہ ۴۷۔۵۲)

(۵۰) عباداتِ روزہ کی تقسیم میں (صفحہ ۵۲۔۵۹)

(۵۱) فرائض وآدابِ مرید میں (صفحہ ۵۹۔۵۶)

(۵۲) فرائض وآدابِ شیخ میں (۶۵۔۶۹)

(۵۳) تا (۵۵) ماہیتِ صحبت اوراس کے حقوق وآداب میں (صفحہ ۶۹۔۷۹)

(۵۶) معرفتِ نفس ومکاشفۂ صوفیہ کے بیان میں (صفحہ ۷۹۔۸۸)

(۵۷) فی معرفۃ الخواطر وتفصیلہا (صفحہ ۸۸۔۹۲)

(۵۸) حال ومقام کی تشریح اوران کا فرق (صفحہ ۹۲۔۹۵)

(۵۹) مقامات کا اجمالی بیان (صفحہ ۹۵۔۱۰۱)

(۶۰) مقامات کی تفصیل اوراس ضمن میں توبہ، ورع، صبر، فقر، شکر، خوف، رجا، توکل ورضا کا بیان (صفحہ ۱۰۱۔۱۱۰)

(۶۱) احوال کی تشریح (صفحہ ۱۱۰۔۱۲۱)

(۶۲) بعض احوال مصطلحہ صوفیہ کی تفصیل، مثلاً جمع وتفرقہ، تجلی واستتار، مسامرۃ، غیبت وشہود، وغیرہ کا بیان (صفحہ ۱۲۱۔۱۲۶)

(۶۳) فی ذکر شیٔ من البدایات والنہایات وصحتہا (صفحہ ۱۲۶۔۱۳۳)

مثل دیگر قدما صوفیہ کے شیخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ بھی کتاب اللہ وکتابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پورا پورا عبور رکھتے تھے، علومِ قرآن کے عالم متبحر اورفن حدیث کے پورے ماہر تھے، جو کچھ لکھتے ہیں اس کی ایک ایک سطر پر کتاب اللہ واقوالِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا سے استناد کرتے

جاتے ہیں، یہاں تک کہ جو ابواب اُصولی و تعلیمی حیثیت رکھتے ہیں۔ تقریباً ان سب کا آغاز بجائے زید عمر بکر کے اقوال کے ارشادِ خدا یا ارشادِ رسول ﷺ ہی سے کرتے ہیں چند مثالیں قابلِ ملاحظہ ہیں:

باب (۴۸)

تقسیم قیام اللیل پر ہے، اس کا عنوان اس آیہ کریمہ کو بنایا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا.

باب (۴)

شرح حال صوفیہ پر ہے، اس کا آغاز اس ارشاد نبوی سے ہوتا ہے:

قال انس رضی اللہ عنہ بن مَالِك قَالَ لی رسول الله ﷺ یابنی ان قدرت ان تصبح و تمسی و لیس فی قلبك غش لاحد فافعل ثم قال یا بنی و ذلك من سنتی و من احیا سنتی فقد احیانی و من احیانی کان معی فی الجنة.

باب (۴۵)

ادائے حقوق صحبت واخوت پر ہے آیات ذیل اس عنوان کو زینت دے رہی ہیں:

وَ تعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى.

وَتوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ.

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ.

باب(۶۰)

مقاماتِ مشائخ پر ہے اس میں عنوانات ورع، خوف، رجا کا آغاز علی الترتیب احادیثِ ذیل سے کرتے ہیں:

ملاك دينكم الورع.

راس الحكمة مخافة اللّٰه قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يقول اللّٰه عزوجل اخرجوا من النّار من كان فى قلبه مثقال حبة من خر دل من ايمان ثم يقول و عزتى و جلالى لا اجعل من امن بى فى ساعة من ليل او نهارٍ كمن لا يومن بى.

باب(۳۴)

مقدمات وآدابِ طہارت پر ہے اس باب کا سرنامہ ذیل کی آیۂ شریفہ کو بناتے ہیں:

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ.

آج ایک عام خیال یہ پھیلا ہے کہ تصوف اسلام سے الگ ایک مستقل نظام مذہبی کا نام ہے اور خیر ہندوستان کے ان پڑھ عوام تو ایک حد تک معذور ہیں، یورپ کے فضلا مستشرقین سب کچھ پڑھ چکنے اور جان لینے کے بعد بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا نظر آتے ہیں ان کا بیان ہے کہ تصوف ہندوستان، یونان، مصر، ایران کے روحانی اثرات کے مجموعہ کا نام ہے جس میں بعد کو اسلامیت کے عناصر بھی مخلوط کر دیے گئے، یہ خیال تمام تر غلط ہے۔ جیسا کہ اس رسالہ کے دیگر ابواب میں کتاب اللمع، کشف المحجوب، رسالہ قشیریہ، فتوح الغیب وغیرہ کے اقتباسات سے دکھایا جا چکا ہے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ تصوف اپنی اصلی اور

خالص و سادہ صورت میں اسلام کی کامل ترین صورت کے مترادف ہے، بیرونی عناصر کا امتزاج صرف اس وقت شروع ہوا جب تصوف دورِ انحطاط میں آ چکا تھا۔

شیخ سہروردی رحمۃ اللہ بھی اس باب میں دیگر اکابرِ طریقت کے بالکل ہم زبان ہیں ان کے نزدیک تصفیۂ قلوب و تزکیۂ نفوس براہ راست تعلیمات مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ثمرہ ہے اور جو شخص اِس سرچشمۂ ہدایت و رشد سے جتنا زیادہ سیراب ہوا اسی مناسبت سے صفائے قلب و تزکیۂ نفس میں بھی اس نے زیادہ ممتاز مرتبہ حاصل کیا۔①

تفسیر، اصولِ تفسیر، حدیث، اصولِ حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، علم الفرائض و علم الکلام، معانی و بیان، لغت و نحو، غرض وہ تمام علوم جو فہمِ شریعت میں کام آتے ہیں، سب کے سب ضدِ تصوف نہیں بلکہ مقدماتِ تصوف و مبادی طریقت ہیں۔②

خلقت کی اصل ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے ساری کائنات اسی کے طفیل میں ہے اور یہی ذات اقدس دنیا میں علم و ہدایت لے کر آئی، پس جو شخص اپنی پاکیزہ طینتی کے لحاظ سے جتنا زیادہ اس جوہر گرامی سے قرب و مناسبت رکھتا ہے، اسی قدر وہ علم و ہدایت سے زیادہ بہرہ ور ہوتا اور دوسروں کے لیے باعث ہدایت بنتا ہے، یہی گروہ گروہِ صوفیہ اور بہ اصطلاحِ قرآن گروہِ مقربین کہلاتا ہے۔③

کلامِ الٰہی میں ارشاد ہوتا ہے کہ

فَبَشِّرْ عِبَادِ ٥ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ٥

''اے پیغمبر! ہمارے ان بندوں کو مژدہ پہنچا دو جو ہمارے کلام کو

---

① عوارف صفحہ ۶

② ایضاً

③ ایضاً (صفحہ ۱۰۰۹)

حسنِ استماع کے ساتھ سنتے اوراس کی اچھی باتوں پر چلتے ہیں، یہی
لوگ ہیں جنھیں خدا نے ہدایت دی ہے اور جو صاحبِ عقلِ سلیم ہیں۔''

(سورۂ زمر، آیت ۱۷۔۱۸)

گویا ہدایت کا اصل راز حسنِ استماع ہے، پھر صوفیہ کا عقیدہ ہے کہ آیت مذکورہ میں جس شے کو ''لُبّ'' یا دانش سے تعبیر کیا ہے۔ اس کے کل سو حصہ ہیں، جن میں سے ننانوے ۹۹ حضرت رسالت پناہ ﷺ کے حصہ میں آ گئے، باقی ایک حصہ تمام کائنات کے مومنین پر تقسیم ہوا ہے، یہ جز بجائے خود اکیس اجزا پر مشتمل ہے، ایک جز وسب مومنین میں برابر مشترک ہے، یعنی کلمۂ شہادت باقی بیس حصوں میں مومنین بہ لحاظ اپنی قوت ایمانی کے ایک دوسرے سے برتر وفروتر ہیں۔ آیۂ مذکورہ میں ''احسن القول'' جس شے سے عبارت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا پس جو شخص اس کے اتباع اور اس کے حسنِ استماع میں جتنا غلو رکھے گا، اسی قدر وہ صفتِ تقرب سے زیادہ موصوف ہوگا اور اسی صفت رکھنے والے کا نام صوفی ہے۔①

اور یہ جو کلام مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ.

''اے ایمان والو! خدا اور رسول ﷺ کی اس دعوت کو بہ گوش ہوش قبول کرو، جب رسولِ خدا ﷺ تمھیں اس امر کی جانب دعوت دیتے ہیں، جو تم میں نئی روح پھونکتا ہے۔''

(سورۂ انفال، رکوع ۳)

سو شیخ واسطی رحمہ اللہ نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ

① عوارف صفحہ ۱۱۳ (مطبوعہ مصر)

''زندگی سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے تئیں تمام علائق سے لفظاً و عملاً ہر طرح آزاد کر لے۔

اور بعض صوفیہ اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ

استجیبوا لِلّٰہ بسرائرکم و للرسول بظواھر کم فحیاۃ النفوس بمتابعۃ الرسول ﷺ و حیات القلوب بمشاھدۃ الغیوب و ھُوَ الحیاء من اللّٰہ تعالیٰ برویۃ التقصیر.

''خدا کی دعوت قبول کرو اپنی اندرونی کیفیات سے اور رسول ﷺ کی دعوت قبول کرو اپنے ظاہری اعمال سے، اس لیے کہ حیات نفس عبارت ہے متابعتِ رسول ﷺ سے اور حیاتِ قلب مشاہدۂ غیب سے، جس کے معنی یہ ہیں کہ گناہ کے مواجہہ میں حق تعالیٰ سے شرم کی جائے۔''①

ان مقدمات سے صرف ایک ہی نتیجہ نکل سکتا تھا اور وہی شیخ نے نکالا ہے یعنی کہ تصوف نام ہی قولاً فعلاً حالاً ہر حیثیت سے اتباعِ رسول ﷺ ② کا اور اسی پر مداومت رکھنے سے جب اہل تصوف کے نفوس مقدس ہو جاتے ہیں، حجابات اُٹھ جاتے ہیں اور ہر شے میں اتباعِ رسول ﷺ ہونے لگتا ہے، تو اس صورت میں ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صحبت لازم آ جاتی ہے، اس لیے کہ وعدۂ الٰہی موجود ہے کہ اے پیغمبر کہہ دو:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ.

''کہ اگر خدا کو دوست رکھو گے تو میری متابعت کرو، خدا تم سے محبت کرنے لگے گا''

① عوارف صفحہ ۳ ② ایضاً صفحہ ۳۶

متابعتِ رسول ﷺ عین محبت الٰہی کی علامت ہے اور اتباعِ رسول ﷺ کا صلہ ہی محبت الٰہی قرار دیا گیا ہے، پس جو شخص جتنا زائد متبعِ رسول ﷺ ہے اسی قدر زایدہ محبت الٰہی کا بھی حصہ دار ہے اور تمامی اسلامی گروہوں میں صوفیہ ہی نے سب سے زیادہ اتباعِ رسول ﷺ کیا ہے۔'' ①

فاوفرالناس حظا من متابعة الرسول اوفرهم حظا من محبة الله تعالىٰ والصوفية من بين طوائف الاسلام ظفروا بحسن المتابعة.

اعمال نبوی ﷺ میں بہ لحاظ کثرتِ عبادات و قیامِ تہجد و نوافل صوم وصلوٰۃ اور اخلاق و اقوالِ نبوی ﷺ میں بہ لحاظ عفو و حلم، رافت و رحمت، حیا و تواضع، ندارات و نصیحت اور احوال نبوی ﷺ میں بہ لحاظ زہد و توکل، صبر و رضا، خشیت و ہیبت، سب سے زیادہ گروہِ صوفیہ ہی نے حقِ اتباع سنت نبوی ﷺ ادا کیا ہے گویا گروہِ صوفیہ نام ہے اسی گروہ کا جس نے

فاستوفوا جميع اقسام المتابعات و احيوا سنة باقصى الغايات.

''ہر قسم کی متابعت کا حق ادا کر دیا اور سنتِ رسول ﷺ کو انتہائی درجہ تک زندہ کر دیا۔'' ②

پس یہی گروہ صوفیہ صافیہ درحقیقت اس بشارتِ عظمیٰ کا بھی اہل ہے جو حدیث نبوی ﷺ میں وارد ہوئی ہے کہ

من احيا سنتي احياني و من احياني كان معي في الجنة.

---

① ایضاً

② عوارف صفحہ ۲۷ (مطبوعہ مصر)

''جس نے میری سنت کو زندہ کیا، اس نے گویا مجھے زندہ کیا، وہ میرے ہمراہ جنت میں ہوگا۔''

صوفیہ قدیم کے ایک مسلّم سرخیل شیخ عبدالواحد بن زید رحمہ اللہ سے لوگوں نے صوفی کی تعریف دریافت کی تو انھوں نے کہا کہ صوفی وہ لوگ ہوتے ہیں جو

قال القائمون بعقو لهم عَلٰی فهم السنة والعاكفون عليها بقلوبهم والمعتصمون بسيدهم من شر نفوسهم هم الصوفية.

''جو اپنی عقل کو سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف کرتے ہیں اور اپنے قلوب کو اس پر متوجہ رکھتے ہیں اور اپنے نفس کی خباثتوں سے اپنے سردار (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے دامن میں پناہ لیتے ہیں ان لوگوں پر صوفی کا اطلاق ہوتا ہے۔''

شیخ سہروردی رحمہ اللہ اس تعریف کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ

هذا وصف تا مر وصفهم به.

''یہ ان کی بہترین تعریف ہے جو کی گئی۔''①

آج سوال صرف اتنا ہے کہ مشائخ وصوفیۂ حال کی اکثریت پر بھی یہ تعریف صادق آتی ہے؟ اور جو مدعیانِ فقر وطریقت، اتباعِ سنت وشریعت کو اپنے مرتبہ سے فروتر قرار دیتے ہیں، ان پر لفظ صوفیہ کا اطلاق کسی حد تک بھی درست ہوسکتا ہے؟

آج کسی انسان کے پیرومرشد بننے کے لیے صرف یہ وصف کافی سمجھا جاتا ہے کہ وہ کسی بزرگ کی درگاہ کا ''صاحب سجادہ'' یا ''پیرزادہ'' یعنی کسی بزرگ کی اولاد ہو، لیکن قدما ان اصطلاحات اور اُن کے مفہوم سے یکسر بیگانہ تھے ان حضرات کے نزدیک مرتبہ مشیخت

① عوارف صفحہ ۲۷ (مطبوعہ مصر)

طریقِ تصوف میں اعلیٰ ترین

و رتبة المشيخة من اعلٰى الرتب فى طريق الصوفية و نيابة النبوة فى الدعآء الى اللّٰه.①

''صوفیہ کے طریق میں مشیخت کا رُتبہ اعلیٰ مراتب سے ہے اور شیخ دعوت الی اللہ میں گویا نیابت نبوت کے منصب پر فائز ہوتا ہے۔''

استحقاق کا معیار بجائے نسبتی و نسبی قرابت کے، پیروئ راہِ حق و اتباعِ مسلکِ خیر تھا، شیخ ضیاالدین ابونجیب سہروردی رحمہ اللہ اکثر ارشاد فرماتے تھے کہ

وكثيراً كان شيخنا شيخ الاسلام ابو النجيب رحمہ اللہ يقول ولدى من سلك طريقى واهتدى بهدى. ②

''میرا فرزند وہی ہے جو میرے طریقہ پر چلا اور جس نے میری راہِ ہدایت اختیار کی۔''

شیخ کے مرتبۂ کمال کا معیار بھی وہی اتباع و اقتدائے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اگر شیخ کی یہ نسبتِ اقتدا و اتباع درست ہے، تو حسبِ نصِ قرآنی وہ خدا کی نظر میں محبوب ہوگا۔③

موجودہ صوفیہ میں بعض بزرگوار اپنے تئیں طریقۂ ملامتی و قلندری کا متبع بتاتے ہیں تکالیف شرعی کو اپنے سے ساقط سمجھتے ہیں اور علانیہ اپنے وضع ولباس، اکل و شرب، ترکِ فرائض و ارتکابِ منہیات سے احکامِ شریعت کا استخفاف کرتے رہتے ہیں اور اسے فخر کے ساتھ اپنے کمالِ روحانیت کی دلیل سمجھتے ہیں۔

ملامتیہ و قلندریہ کا وجود شیخ رحمہ اللہ کے زمانہ میں بھی تھا، وہ نفس طریق ملامتی کی عظمت کے پوری طرح قائل ہیں اور بجائے خود طریق ملامتی کو فقر و تصوف، صدق و اخلاص کے بلند مرتبہ پر رکھتے اور اس کو مستمسک بہ آثار و سنن قرار دیتے ہیں:

---

① ایضاً صفحہ ۴۵ ② ایضاً ③ ایضاً

انه خیال شریف و مقام عزیز و تمسك بالسنن والآثار و تحقق بالاخلاص.

(صفحہ ۴۱)

ان کے نقطۂ خیال کی پوری توضیح ملا جامی رحمہ اللہ نے نفحات الانس میں کی ہے ارشاد فرماتے ہیں:①

''واما ملامتیہ، جماعتے باشند کہ دررعایت معنی اخلاص ومحافظت قاعدۂ صدق واختصاص غایت جہد مبذول دارند، دوراخفائی طاعات وکتم خیرات از نظرِ خلق مبالغت واجب دانند با آنکہ ہیچ دقیقۂ از صوالح اعمال مہمل نہ گزارند وتمسک بہ جمیع فرائض ونوافل از لوازم شمرے و مشربِ ایشاں درکل اوقات تحقیق معنی اخلاص بود ولذتِ شانٍ در نفر ونظر حق بہ اعمال واحوالِ ایشان وہمچنان کہ عاصی از ظہورِ معصیت پُر حذر بود از ایشان از ظہورِ طاعت کہ مظنۂ ریا باشد حذر کنند تا قاعدۂ اخلاص خلل نہ پذیرد۔''

یہ ان لوگوں کی کیفیت ہوتی ہے جو فی الواقع مسلکِ ملامتیہ کے سالک ہوتے ہیں لیکن ریا کاروں کا ایک گروہ آج سے نہیں، شیخ رحمہ اللہ ہی کے زمانہ سے موجود رہا ہے جس کو تصوف فقر وروحانیت سے کوئی واسطہ نہیں، یا اینہمہ

فمن ذالكَ قوم يسمون نفوسهم قلندرية تارة و ملامتية اخرى.

(صفحہ ۲۱)

''وہ کبھی اپنے تئیں ملامتیہ کہتے ہیں اور کبھی قلندریہ مشہور کرتے ہیں۔''

---

①(نفحات الانس، جامی صفحہ ۸۔۹ (مطبوعہ کلکتہ)

اس کے بعد ملامتیہ وقلندریہ وصوفیہ کے درمیان اصولی فرق بیان کر کے شیخ اس ریاکار گروہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ

و قوم من المفتوانین سموا انفسهم ملامتیه و لبسواالبسة الصوفیة لینسبوا بها الی الصوفیة و ما هم من الصوفیة بشیء بل هم فی غرور و غلط تیسرون بلبسة الصوفیة توقیا تارة و دعویٰ اخریٰ و ینبتهجون مناهج اهل الابالصة و یَزْعمون ان ضمایرهم خلصت الٰی اللّٰه تعالٰی و یقولون هٰذا هوالظفر بالمراد والارتسام بمراسم الشریعة رتبة العوام و القاصرین الافهام المخصرین فی المضیق الاقتداء تقلیدا و هذا هو عین الالحاد و الزندقة والابعاد و جهل هؤلاء المغرورون ان لشریعة حق العبودیة والحقیقة هی حقیقة العبودیة و من صار من اهل الحقیقة تقید بحقوق العبودیة و حقیقةِ العبودیة.①

”گمراہوں کے ایک گروہ نے اپنے تئیں ملامتیہ مشہور کر رکھا ہے اور لباسِ صوفیہ پہن رکھا ہے تاکہ اس کا شمار صوفیہ میں ہو حالاں کہ انھیں صوفیہ سے کوئی لگاؤ نہیں، بلکہ یہ لوگ دھوکے اور گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں اور صوفیہ کا لباس کبھی اپنے بچاؤ کے لیے اور کبھی کسی اور دعویٰ کے ساتھ پہنتے ہیں اور اہل اباحت کی راہ چلتے ہیں اس زعم کے ساتھ کہ ان کے ضمائر خدا کی جانب خالص و راجع ہو گئے ہیں اور کہتے

---

① عوارف المعارف صفحہ ۴۲

ہیں کہ یہی کامیابی مقصود ہے اور یہ کہ شریعت کی پابندیاں عوام کے
لیے ہیں، جن کی عقلیں قاصر ہیں اور جو تقلید اقتدا کے پھندے میں
پھنسے ہوئے ہیں یہ عین الحاد، زندقہ، والبعاد و جہالت ہے، یہ فریب
خوردہ گروہ اس حقیقت سے جاہل ہے کہ شریعت نام ہی حقِ عبودیت
کا اور حقیقتِ عبودیت ہے اور جو شخص اہل حقیقت سے ہوگا وہ حقِ
عبودیت اور حقیقتِ عبودیت میں مقید ہوگا۔''

ایسے ہی لوگوں کے بابت حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ قول فیصل موجود ہے
کہ

ان اناسًا کانو یوخذون بالوحی علی عهد رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و ان الوحی قد انقطع و اِنّما ناخذکم الاٰن بما ظهر من اعمالکم فمن اظهر لنا خیرًا امناه و قربناه و لیس الینا من سریرة شیء اللّٰہ تعالٰی یحاسبه فی مریرة و من اظهر لنا سوی ذلك لم نامنه و ان قال سریرتی حسنة.

''عہدِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں لوگوں سے بربنائے احکامِ وحی مواخذہ
کیا جاتا تھا، سلسلہ وحی موقوف ہوگیا اب ہم تم سے مواخذہ تمہارے
اعمال کی بنا پر کریں گے۔ پس جس کے اعمالِ خیر ہم پر ظاہر ہوں
گے، ہم اسے قبول کریں گے اور اس سے قربت کریں گے، ہمیں اس
کے باطن سے کچھ غرض نہیں، اس کے باطن کا محاسبہ کرنے والا اللہ
تعالیٰ ہے البتہ اگر اس کے اعمال دوسری صورت (یعنی صورت
مذموم) میں ہمارے سامنے ظاہر ہوئے تو ہم اسے قبول نہیں کرنے

کے، خواہ وہ کہتا رہے کہ میرا باطن آراستہ ہے۔"

سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ ہی کا ایک دوسرا ارشاد بھی ہماری رہبری کے لیے موجود ہے:

فاذا راینا متھا و نابحدود الشرع مھملا للصلٰوۃ المفروضات، لا یعتد بحلاوۃ التلاوۃ والصوم والصلوۃ و یدخل فی المداخل المکروھۃ المحرمۃ زوۃ و لا نقبلہ و لا نقبل دعوۃ ان لہ سریرۃ صالحۃً.

"جب ہم ایسے شخص کو دیکھیں گے جو حدودِ شرع کا استخفاف کرتا ہے نماز فرض کو چھوڑے ہوئے ہے، تلاوتِ کلامِ مجید اور روزہ نماز سے حلاوت نہیں پاتا، اور حرام و مکروہ مقامات میں در آتا ہے، تو ہم اس سے انکار کریں گے اور نہ اسے قبول کریں گے اور نہ اس کے اس دعویٰ کو کہ وہ باطن صالح رکھتا ہے۔"

سیّد الطایفہ، مرشدِ مرشدان عظام، شیخِ مشائخ کرام حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ معرفتِ الٰہی پر گفتگو فرما رہے تھے، ایک شخص نے پوچھا کہ

"اہلِ معرفت ترکِ اعمالِ صالحہ کے مقام تک بھی پہنچ جاتے ہیں۔"

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اس قول کو سن کر جس قدر برہم ہوئے اس کا اندازہ ان کے مندرجہ ذیل جواب سے ہو سکتا ہے:

ان ھذا قول قوم تکلموا باسقاط الاعمال و ھذا عندی عظیمۃ و الذی یَسْرق و یزنی احسن حالاً من الذی یقول ھذا و ان العارفین باللّٰہِ اخذوا الاعمال من اللّٰہ و الیہ یرجعون فیھا و لوبقیت الف عامٍ لم انقص من اعمال

البر ذرة الا ان تحال بی دونها، و انها الا كد فی معرفتی و اقوٰی لحالی.

''یہ قول اس گروہ کا ہے جو ترکِ اعمال کا قائل ہے، یہ میرے نزدیک بہت بڑی بات (بے باکی کی) ہے اور جو چوری کرتا اور زنا کرتا ہے اس کا بھی حال ایسا قول اختیار کرنے والے سے بہتر ہے، عارفین باللہ نے اپنے اعمال خدا سے حاصل کیے ہیں اور انھیں اعمال کے ساتھ اس کی جانب واپس ہوں گے میری عمر اگر ایک ہزار سال کی ہو تو میں ان اعمال خیر سے ایک ذرہ کم نہ کروں بجز اس کے کہ میرے سامنے کچھ حائل ہو جائے اور یہ اعمال تو میری معرفت کے لیے مؤکد اور میرے حال کے لیے موجبِ تقویت ہیں۔''

سالکانِ طریقت کے لیے اگر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ اور حضرت شیخ سہروردی رحمہ اللہ کے اقوال سے زیادہ مستند و قوی کسی اور کا قول ہو سکتا ہے تو دنیا کو ہنوز اس کا علم نہیں۔

باب ٦

فوائد الفواد

(خواجہ نظام الدین اولیا محبوبِ الٰہی رحمہ اللہ)

ہندوستان کی دنیائے تصوف میں ایک خاص شہرت و امتیاز سلسلۂ عالیہ چشتیہ کو حاصل ہے۔ خواجگانِ چشت رحمہ اللہ نے خود کوئی مستقل تصنیفات نہیں چھوڑیں بلکہ ان کی تعلیمات و ہدایات کو ان کے مریدین مخلصین ''ملفوظات'' میں جمع کرتے رہے۔ خواجہ عثمان ہارونی رحمہ اللہ، خواجہ معین الدین اجمیری رحمہ اللہ، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمہ اللہ اور خواجہ فریدالدین گنج شکر رحمہ اللہ کے ملفوظات اسی طرح علی الترتیب انیس الارواح، دلیل العارفین، فوائدالسالکین اور راحت القلوب کے نام سے محفوظ ہیں۔ حضرت محبوب الٰہی رحمہ اللہ سلسلۂ خواجگانِ چشت کے خاتم تھے۔ آپ رحمہ اللہ کا زمانہ ساتویں صدی کا اختتام اور آٹھویں صدی کی ابتدا کا ہے۔ آپ رحمہ اللہ کے ملفوظات متعدد ہیں ان میں سب سے زیادہ مشہور مستند فوائد الفواد ہے جو ان کے مرید با اختصاص میر حسن علا سنجری رحمہ اللہ کا مرتب کیا ہوا ہے۔ پچھلے صفحات میں جن بزرگوں کی تصانیف کو روشناس کیا گیا نیز آیندہ ابواب میں جن کا ذکر آئے گا وہ سب بہ استثنا شیخ ہجویری رحمہ اللہ ہندوستان سے باہر کے تھے اور شیخ موصوف کا

زمانہ بھی ہندوستان میں اسلام کے قدم جمنے سے قبل کا تھا۔ اس باب میں ایسے بزرگ کے درسِ ہدایت کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے جن کی ولادت باسعادت، نشوونما، وفات، سب ہندوستان ہی کے اندر ہوئی اور جنھوں نے زمانہ وہ پایا جب مسلمان ہندوؤں سے خوب اچھی طرح مل چکے تھے اور ''اسلامیت'' ''ہندیت'' سے پوری طرح متاثر ہو چکی تھی۔

(۱) مصنف ①

چھٹی صدی ہجری میں بخارا کے دو سیّد زادے سیّد علی رحمۃ اللہ اور سیّد عرب رحمۃ اللہ ہندوستان وارد ہوئے، پہلے قیام لاہور میں کیا پھر صوبہ متحدہ کے شہر بدایوں میں آ کر جو اس وقت مجمعِ صلحا و علما کے لحاظ سے قبۃ الاسلام کہا جاتا تھا؛ مستقل سکونت اختیار کر لی یہیں ایک کے صاحبزادہ سیّد احمد رحمۃ اللہ کا عقد دوسرے کی صاحبزادی بی بی زلیخا رحمۃ اللہ علیہا کے ساتھ ہوا اور اس عقد کا ثمرہ اس وجود کے قالب میں ظاہر ہوا جس پر نہ صرف بدایوں نہ صرف دہلی، بلکہ سارے ہندوستان کو فخر و ناز ہے۔ ولادت مبارک ۲۷ صفر ۶۳۶ھ کو ہوئی۔ ماں باپ نے نام، فخرِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم مبارک پر ''محمد'' رکھا، شہرت عام کی زبان نے نظام الدین اولیا کہہ کر پکارا، اولیائے معاصرین کی زبانیں نظام الاولیاء، نظام الحق والدین، سلطان المشائخ اور محبوب الٰہی کے القاب پر کھلیں۔

① حضرت محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ کے سوانح و حالات کا سب سے بڑا اور مستند ماخذ میر خورد دہلوی کی سیر الاولیاء ہے، جو اگرچہ چھپ چکی ہے لیکن اب بازار میں نایاب ہے بعض حالات و ملفوظات حضرت باوافرید رحمۃ اللہ، راحت القلوب، مرتبہ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ اور بعض حالات خود حضرت محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ کے متعدد ملفوظات فوائد الفواد، راحۃ المحبین، افضل الفواد و درر نظامی (غیر مطبوعہ) میں نکل آتے ہیں ان کے علاوہ عام ماخذ تاریخ فیروز شاہی، تاریخِ فرشتہ، نفحات الانس، اخبار الاخیار، خزینۃ الاصفیاء وغیرہ ہیں، اُردو میں سیرت نظامی کے نام سے ایک مستقل کتاب بھی ہے۔

شجرۂ نسب پدری و مادری دونوں سلسلوں سے بواسطہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔عمر کے پانچویں سال سے ابھی قدم باہر نہیں نکلا تھا کہ سایہ پدری سر سے اٹھ گیا اور عرب کے یتیم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا یہ گوہر بے بہا بھی یتیم رہ گیا، والدِ ماجد حضرت سیّد احمد رحمۃ اللہ ایک مقدس ومتقی بزرگ تھے جن کا مزار بدایوں میں اس وقت تک زیارت گاہِ خلق ہے۔ان کی وفات کے بعد تربیت والدہ ماجدہ بی بی زلیخا رحمۃ اللہ علیہا نے دی جو اپنے زہد وتقویٰ کے لحاظ سے اپنے زمانے کی رابعہ بصریہ تھیں اور جن کا مزار نواحِ دہلی میں اب بھی عقیدت مندوں کا مرجع ہے۔

مستجاب الدعوات تھیں، ہر دعا کا تیر ہدفِ مراد پر پہنچ کر رہتا تھا، آیندہ کے واقعات مکشوف ہو جایا کرتے تھے، مرض الموت میں مبتلا ہوئیں تو کھانا پانی سب چھوڑ دیا ہر وقت گریہ طاری رہتا تھا۔ جمادی الاولیٰ کی آخری تاریخ کی شام تھی، نیا چاند دیکھ کر حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ حسب دستور سلام کے لیے والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ علیہا کی خدمت میں حاضر ہوئے ارشاد فرمایا کہ

"بیٹا! آیندہ مہینہ میں کس کے سلام کرنے کو آؤ گے اور کون دُعائیں دے گا؟"

لختِ جگر کو معلوم ہو گیا کہ سر سے یہ سایہ بھی اٹھا چاہتا ہے رو کر عرض کی:

"اماں جان! ہم کو کس پر چھوڑے جاتی ہو؟"

ارشاد فرمایا کہ

"اس کا جواب صبح کو ملے گا۔اس وقت جا کر شیخ نجیب الدین متوکل کے ہاں سو رہو۔"

رات میں نیند کیسے آتی، صبح سویرے گھر کی خادمہ دوڑی ہوئی پہنچی کہ فوراً بلایا ہے، دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ حاضرِ خدمت ہوئے، ماں نے پوچھا کہ

''بیٹا! رات کو خوش رہے؟''

رو کر اور قدموں پر گر کر عرض کیا کہ

''میری خوشی تو اماں جان! آپ کی سلامتی کے ساتھ ہے؟''

ارشاد فرمایا:

''اب وقت ہے کہ کل کی بات کا جواب لو۔''

یہ کہہ کر داہنا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑا اور آسمان کی طرف منہ کر کے کہا:

''پروردگار! اس دکھیارے بے کس کو تیرے سپرد کرتی ہوں۔''

یہ کہا اور روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

اس پایہ و مرتبہ کی ماں کی آغوشِ تربیت میں جس بچہ کی نشو و نما ہو گی؛ اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ خود کس پایہ و مرتبہ کا نکلے گا، ذہانت، ذکاوت، حافظہ، شوقِ علم، فہم صحیح، تمام خداداد قوتیں بچپن سے موجود تھیں، بدایوں اس زمانہ میں مرجعِ علما و مرکزِ کاملینِ فن تھا، قرآن حفظ کرنے کے بعد متعدد اساتذۂ وقت کی خدمت میں تلمذ حاصل کیا اور اکثر علوم ظاہری میں پوری دست گاہ بہم پہنچائی اس کے بعد ذوقِ علم ہی کی کشش دہلی کھینچ لائی اور یہاں بقیہ علوم کی بھی تکمیل ہو گئی، دستار بندی بدایوں ہی میں ہو چکی تھی، دلی میں آ کر فن حدیث وغیرہ کی باضابطہ سند و اجازت بھی حاصل ہوئی، علوم میں گفتگو و بحث کا بڑھا ہوا شوق دیکھ کر طلبہ و علما کے طبقہ میں آپ کا نام نظام الدین بحاث پڑ گیا۔

ادھر علوم ظاہری میں یہ غلو و انہاک جاری تھی؛ اُدھر فطرت مسکرا مسکرا کر ایک دوسری زندگی کے لیے تیار کر رہی تھی ہنوز قیام بدایوں ہی میں تھا اور عمر بارہ سال سے زاید نہ تھی کہ ایک قوال کی زبان سے حضرت باوا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ کے کمالات سن کر دل میں غائبانہ عقیدت پیدا ہو گئی تھی۔ یہاں تک کہ ہر نماز کے بعد یا فرید کا وظیفہ شروع کر دیا تھا، دہلی آتے ہوئے راستہ میں حضرت موصوف رحمۃ اللہ کے بعض اور تذکرے سنے جن سے

عقیدت کو مزید تقویت پہنچی۔

دہلی میں قیام شیخ نجیب الدین متوکل کے ہمسایہ میں ہوا جو حضرت کے خلیفہ اور عزیز خاص تھے، ان کے ذریعہ سے حضرت باوا صاحب رحمۃ اللہ کے حالات و کمالات سُن سُن کر آتشِ شوق اور تیز ہوتی رہی، یہاں تک کہ ایک روز جامع مسجد دہلی میں ایک خوش لحن قاری کی زبان سے یہ آیہ کریمہ:

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ.

دل بے چین ہو گیا اور ترکِ تعلقات کر کے مرید ہو جانے کی تڑپ پیدا ہو گئی، لوگوں نے شیخ نجیب الدین سے بیعت کر لینے کا مشورہ دیا، مگر خود شیخ نے فرمایا کہ

''مرید ہونا ہے تو اس وقت کے ان دو بزرگوں میں سے کسی سے بیعت ہو جاؤ۔ ایک حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ، دوسرے حضرت باوا فرید اجودھنی رحمۃ اللہ۔''

دوسرے ہی روز آپ دہلی سے چل کھڑے ہوئے، تاہم یہ تشویش دل میں باقی رہی کہ ملتان و اجودھن میں سے کہاں کا راستہ اختیار کرنا چاہیے آخر ایک شب میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت خواب میں نصیب ہوئی اور حکم ملا کہ

''اجودھن کا راستہ اختیار کرو۔''

عمر کے بیسویں سال ۱۵/رجب ۶۵۵ھ کو سفر کی آخری منزل ختم ہوئی۔ بعد ظہر حضرت باوا صاحب رحمۃ اللہ کی خدمت میں حضوری ہوئی اُدھر سے بھی جذبۂ اشتیاق زوروں پر تھا، سلام میں خود ہی سبقت فرمائی گئی اور نظر پڑتے ہی یہ شعر زبانِ مبارک پر آیا۔

اے آتشِ فراقت دلہا کباب کردہ
سیلابِ اشتیاقت جانہا خراب کردہ

بیعت کے ساتھ خلعتِ خلافت بھی مرحمت ہوئی اور ارشاد ہوا کہ

''نظام الدین! میں تو ولایتِ ہندوستان کسی اور کو دینا چاہتا تھا کہ غیب سے ندا آئی کہ انتظار کرو، نظام بدایونی آ رہا ہے اور وہی اس ولایت کے لائق ہے۔''

ایک عرصہ تک مرشد کی خدمت میں سرگرم رہنے کے بعد حسب الحکم دہلی واپس آئے اور مجاہدات و ریاضات میں مصروف ہو گئے۔ اخفائے حال کا اس قدر اہتمام تھا کہ جہاں ایک جگہ قیام فرمانے کے بعد لوگوں کو بزرگی کا کچھ پتہ چلنے لگتا، مکان تبدیلی فرما دیتے اور کسی دوسرے محلّہ میں اُٹھ جاتے، بالآخر جب خلقت کا ہجوم زیادہ رہنے لگا تو اشارۂ غیب پا کر شہر سے باہر غیاث پور میں سکونت اختیار فرمائی اور وہیں مدۃ العمر قیام رہا، ابتدائی زمانہ پیرو مرشد کی سنت میں بڑی تنگی و تنگدستی میں گزرا، شروع میں کئی سال تک یہ حال رہا کہ مسلسل کئی کئی دن تک کوئی آمدنی کہیں سے نہ ہوتی اور فقر و فاقہ کی نوبت آتی رہتی چند سال کے بعد، مرشد کی دُعا یا کسی مجذوب کی توجہ (حسب اختلافِ روایات) کی برکت سے اس کے برعکس وہ فارغ البالی پیدا ہوئی کہ اچھے بڑے دنیادار رئیسوں کو بھی رشک آنے لگا، باورچی خانہ دن رات گرم رہتا تھا، لنگر ہر وقت جاری تھا، مہمان خانہ ہمیشہ مہمانوں کے ہجوم سے پُر رہتا تھا اور مہمانداری کا خرچ کئی ہزار ماہوار کا تھا، اس امارت و ریاست کے ساتھ محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ کی خود اپنی یہ حالت تھی کہ سال کے سال برابر روزے رہا کرتے تھے اور افطار و سحر کے وقت، موٹے قسم کی غذا وہ بھی بہت قلیل مقدار میں نوش فرمائی جاتی تھی ''یہ خوش خوری''، جتنی تھی سب دوسروں کے لیے تھی اپنی ذات کے لیے اصلاً نہیں، خدام پر تاکید یہ رہتی تھی کہ جو کچھ آتا رہے روزانہ سب نکلتا بھی رہے اور جمع مطلق نہ ہونے پائے جمعہ کے روز اس کا اہتمام اور زیادہ ہو جاتا تھا اور جب تک توشہ خانہ مال و غلہ سے بالکل صاف نہ کرا دیا جاتا نمازِ جمعہ کے لیے تشریف نہ لے جاتے۔

عمر بھر نکاح نہیں کیا ساری زندگی تجرد میں گزار دی، اس لیے اولاد کا کوئی سلسلہ

نہیں چلا، ایک بہن تھیں ان کی اولاد کا سلسلہ بحمد اللہ جاری ہے اور خاندان کا سلسلۂ نسل اسی سے قایم ہے۔

خلق کا رجوع اس کثرت سے ہوا کہ حدِ حساب و بیان سے خارج ہے، درویشوں اور عوام سے لے کر امرا، وزرا اور ارکان سلطنت تک سب ہی اسی شمع کے پروانہ تھے، لیکن استغنا کا یہ عالم ہے خود کبھی کسی امیر و وزیر کے ہاں تشریف نہیں لے گئے، بعض اوقات دربار شاہی تک شکایات پہنچیں، بادشاہ کا فرمان صادر ہوا کہ کبھی کبھی دربار سلطانی میں حاضری ہوتی رہے مگر کبھی ایسے فرمان کی تعمیل نہیں کی گئی، بارہا اس طریقِ عمل سے عتاب سلطانی کی نوبت آ گئی اور سخت سے سخت خطرات پیش آتے رہتے لیکن جو گردن رب الارباب کے آگے جھک چکی تھی وہ کسی ایک موقع پر بھی کسی گردن کش سلطان و فرماں روا وزیر و امیر کے آگے نہ جھکی۔

دہلی کے تخت پر جب قطب الدین مبارک شاہ بیٹھا تو دراندازوں اور حاسدوں کے کہنے سننے میں آ کر وہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ سے خاص عناد رکھنے لگا۔ پہلے اور متعدد سختیاں کیں، اس کے بعد اس پر اصرار کیا کہ اگر ہر ہفتہ نہیں تو کم از کم مہینہ کی چاندرات کو تو شیخ ضرور سلام کے لیے دیوانِ شاہی میں حاضر ہوا کریں۔ معتقدوں اور مریدوں نے معاملہ کی نزاکت اور غضب سلطانی کا اندازہ کر کے شیخ رحمۃ اللہ سے بہ منت والحاح عرض کی کہ

''کم از کم ایک مرتبہ تو بادشاہ کی خوشی پوری کر دی جائے۔''

یہاں تک کہ شوال کا مہینہ ختم ہوا اور ذی قعدہ کی چاندرات آ گئی لیکن عین اسی شب میں بادشاہ ہی کے محبوب غلام خسرو خاں نے اپنے خنجر سے بادشاہ کا کام تمام کر دیا۔

ہجومِ خلایق کے باوجود از کار و اشغال میں ایک لمحہ کا فرق نہیں پڑنے پاتا تھا ساری ساری رات ریاضتوں اور مجاہدوں کی نذر ہو جاتی صبح جب حجرہ کا دروازہ کھلتا تو دیکھنے والوں کی نظر اس نورانی و روحانی ہستی پر پڑتی جو ساری شب پلک نہ جھپکنے سے پیدا ہو گئی

ہوتی۔ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ایسے ہی موقع پر حاضر کے وقت مستیٔ جمال سے بے خود ہو کر یہ شعر کہا تھا:

تو شبانہ می نمائی بہ برِ کہ بودی امشب
کہ ہنوز چشمِ مستت اثرِ خمار دارد!

عمر شریف اسی ۸۰ سال سے گزر چکی تھی اس کبرِ سنی وضعف میں بھی دوامِ صوم کے معمول میں فرق نہیں آیا، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے موثر الفاظ ملاحظہ ہوں:

''حق تعالیٰ او را قبولے تام داد و خاص و عام رابوے رجوع شد و ابوابِ فتوح بروے مفتوح گشت و عالمے از موائد احسان و انعام او خواہد برگرفتند و او خود بر ریاضت و مجاہدہ می بود گویند کہ در آخر عمر کہ سن شریفش از ہشتاد متجاوز شدہ بود بہ غایت مجاہدہ پیش گرفتہ بود و صوم دوام داشتی، و بوقت افطار اندک چیزے چشیدے و طعامیکہ وقتِ سحر بودے اکثر چناں بودے کہ نخوردے خادم عرضہ داشت کردے کہ مخدوم وقت افطار طعام کمتر می خورند اگر از طعام سحر اندک تناول نہ کنند حال چہ شود، وضعف قوت گیرد، درین محل بگریستی او گفتے کہ چندین مسکینان و درویشان در کنجہائے مساجد و دوکانہا گرسنہ وفاقہ زدہ افتادہ اند این طعام در حلقِ من چگونہ فرو رود و ہمچنان طعام از پیش بر می داشتند۔''

''حق تعالیٰ نے آپ کو نہایت مقبول بنا دیا اور خاص و عام سب کا رجوع آپ کی طرف ہو گیا آپ پر درِ فتوحات کھل گیا اور ایک عالم آپ کی مہمان نوازیوں اور عنایتوں سے سیراب ہونے لگا، لیکن آپ خود برابر ریاضت و مجاہدہ میں لگے رہے، یہاں تک کہ آخر عمر میں

جب سن شریف اسی (۸۰) سے متجاوز ہو چکا تھا، آپ انتہائی مجاہدوں
میں مشغول رہتے تھے اور صومِ دوام رکھتے تھے افطار کے وقت بہت
قلیل غذا ہوتی اور سحری اکثر ایسا ہوتا کہ نہ کھاتے، خادم عرض کرتے
کہ افطار ہی کے وقت کیا غذا ہوتی ہے اگر سحری بھی چھوٹ گئی تو
ضعف ونقاہت سے کیا حال ہوگا، یہ سن کر وہ مخدوم رونے لگتے اور
فرماتے کہ اتنے فقیر اور محتاج مسجدوں اور دکانوں میں بھوکے پڑے
ہیں، میرے حلق سے نوالہ کیوں کر اُتر سکتا ہے یہ فرماتے اور کھانا
سامنے سے ہٹا دیتے۔''

نماز وعبادت کی حالت یہ تھی کہ ساری ساری رات اسی کے نذر ہو جاتی تھی ،نماز جماعت کا یہ اہتمام تھا کہ پچاسی نوے سال کی عمر میں ضعف ونقاہت کے باوجود بالا خانہ سے نیچے شریکِ جماعت ہونے کے لیے تشریف لایا کرتے تھے، کثرتِ صوم کا یہ عالم تھا کہ ساری عمر گویا روزہ ہی میں گزاری، یعنی سال کے وہ پانچ دن چھوڑ کر جن میں روزہ رکھنا ممنوع ہے، باقی پورے سال کے سال روزہ ہی رکھتے تھے عمر کی زیادتی کے ساتھ ساتھ غذا میں کمی فرماتے گئے یہاں تک کہ ضعیفی میں خدام جب کھانا پیش کرتے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ ایک روٹی یا آدھی روٹی یا کوئی بدمزہ ترکاری مثل کریلا وغیرہ کے نوش فرمالیتے، باقی سب لذیذ و نفیس غذائیں دسترخوان پر بیٹھنے والوں کی نذر رہتی تھیں اصرار کر کر کے انھیں کھلاتے ،گرسنگی اور سیری اور خواب و بیداری کی تقریباً ایک حالت ہوگئی تھی۔

عموماً معمول یہ رہتا تھا کہ دن بھر کے روزہ کے بعد بعد مغرب بالا خانہ پر تشریف لے جاتے وہیں مریدوں اور مہمانوں کا مجمع ہو جاتا، دسترخوان پر رنگ رنگ کی غذائیں، میوے اور شیرینیاں ہوتیں، وہ سب دوسروں کی نذر ہوتیں، عشا کے لیے نمازِ جماعت ادا کرنے کو نیچے تشریف لاتے اس کے بعد پھر اوپر تشریف لے جاتے، اس وقت صرف

مخصوص مریدوں کو باریابی کی اجازت تھی، اکثر امیر خسرو رحمۃ اللہ حکایات و لطائف سناتے رہتے اور حضرت تسبیح خوانی میں مصروف رہتے کچھ دیر کے بعد یہ تخلیہ کی مجلس بھی برخاست ہوتی، خادم خاص خواجہ اقبال رحمۃ اللہ چند لوٹوں میں پانی بھر کر رکھ دیتے کہ صبح تک کئی بار وضو کی ضرورت ہوگی، حضرت اندر سے دروازہ بند کر کے نماز، اوراد، اذکار میں مشغول ہو جاتے، سحری کے وقت ایک دوسرے خادم عبدالرحیم رحمۃ اللہ ناشتہ لے کر حاضر ہوتے آپ رحمۃ اللہ دروازہ کھول کر کھانا اکثر واپس فرما دیتے، کبھی برائے نام کچھ نوش فرما لیتے، گریہ کثرت سے طاری رہا کرتا، خدام نے دن اور رات کے دوسرے وقتوں کے علاوہ سحری کے وقت بھی گریہ کرتے ہوئے پایا۔ بعض خدام نے دسترخوان پر ادھ چبے نوالے پائے؛ دریافت سے پتہ چلا کہ جو لقمہ لذیذ معلوم ہوتا ہے اسے دہانِ مبارک سے واپس نکال کر رکھ دیا جاتا ہے۔

وفات سے چالیس روز قبل غذا بالکل ترک فرما دی تھی، کھانے کی خوشبو تک گوارا نہ تھی گریہ وزاری بہت بڑھ گئی تھی، نفل نمازوں میں سجدے بہت کثرت سے فرمانے لگے تھے نماز سے فراغت کے بعد دریافت فرماتے کہ

''نماز میں نے پڑھ لی ہے؟''

اور جب جواب ملتا کہ ''پڑھ لی ہے۔''

تو یہ کہہ کر کہ

''پڑھ لوں، خبر نہیں پھر بھی پڑھوں گا یا نہیں۔''

پھر پڑھنے لگ جاتے، جب دنیا سے رخصت ہونے کا وقت بہت قریب آ گیا تو اقبال رحمۃ اللہ خادم کی طرف اشارہ کر کے سب لوگوں سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ

''اس نے کوئی چیز گھر میں باقی رکھی تو قیامت میں اس کی ذمہ داری اس کے اوپر ہے۔''

خادم نے تھوڑی دیر کے بعد عرض کیا کہ

''درویشوں کی خوراک کے لیے کچھ غلہ رکھ لیا ہے، باقی اور سب کچھ
تقسیم کر دیا ہے۔''

ناخوش ہو کر ارشاد فرمایا کہ

''اس غلہ کو بھی لٹا دو، اور توشہ خانہ میں جھاڑو پھیر دو۔''

چناں چہ فی الفور تعمیل ہوئی۔ وفات حسب روایت صبح چہارشنبہ ۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ کو بعمر ۸۹ سال طلوعِ آفتاب کے بعد ہوئی، مقبرہ کی عالیشان عمارت زندگی ہی میں بادشاہ وقت یا کسی امیر نے (بہ اختلافِ روایت) بنوادی تھی، مگر اس میں دفن ہونا پسند نہ فرمایا۔ اس عمارت کو حسبِ وصیت مسجد بنا دیا گیا اور اس کے صحن میں تدفین ہوئی، مشہور ہے کہ شروع میں تربت خام اور قبر نمایاں تھی پختہ مزار اول بار تیمور کے حکم سے بنا، موجودہ عمارت مختصر ہونے کے ساتھ ہی نہایت دل کش اور دل کشا ہے اور بعض اہل کشف کے قول کے مطابق ایک غیر معمولی کشش اور جاذبیت اپنے اندر رکھتی ہے۔

مشہور مریدوں میں مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی رحمۃ اللہ، امیر خسرو رحمۃ اللہ، میر حسن علا سنجری رحمۃ اللہ، شیخ مبارک گوپاموی رحمۃ اللہ، مولانا فخر الدین زرّادی رحمۃ اللہ، مولانا شمس الدین یحییٰ رحمۃ اللہ ہوئے ہیں۔ ایک ضعیف روایت میں ہے کہ مخدوم شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی رحمۃ اللہ بھی آپ رحمۃ اللہ کے مرید تھے، خلافت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی رحمۃ اللہ کو ملی۔

(۲) تصنیف

خواجگانِ چشت کے ''پنجتن پاک'' نے اپنی تعلیمات و ہدایات کی کوئی یادگار کسی مستقل تصنیف کی شکل میں نہیں بلکہ اپنے ملفوظات کے قالب میں چھوڑی تھی، مختلف مجلسوں میں جو کلمات طیبات زبانوں سے نکلتے تھے، مریدانِ باصفا انھیں قلم بند کر لیتے تھے اور مرتب کر کے ان کا نام ''ملفوظ'' رکھ دیتے تھے۔ مرشدوں کے ان ارشادات کو جمع اور مرتب کرنے

والے دو بزرگ رہے ہیں جو خود آگے چل کر خدا معلوم کتنوں کے مرشد ثابت ہوئے ہیں۔

چناں چہ خواجہ عثمان ہارونی رحمہ اللہ کے ملفوظات، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمہ اللہ نے اور ان کے ملفوظات خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمہ اللہ نے اور ان کے ملفوظات بابا فرید الدین گنج شکر رحمہ اللہ نے اور ان کے دو ملفوظات شیخ بدر الدین اسحاق رحمہ اللہ اور خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی رحمہ اللہ نے جمع فرمائے، چراغ سے چراغ اسی طرح جلتا رہا اور انیس الارواح، دلیل العارفین، فوائد السالکین اور اسرار الاولیاء و راحت القلوب کے نام سے سلسلۂ چشتیہ کے اکابر اربعہ کے ملفوظات گرامی کا ذخیرہ جمع ہو گیا، اکابر خواجگانِ چشت کے سلسلے کے خاتم حضرت سلطان المشائخ نظام الدین محبوب الٰہی رحمہ اللہ تھے۔ آپ رحمہ اللہ کے ملفوظات کے جمع کرنے کی سعادت ایک سے زاید مریدانِ با اخلاص کے حصہ میں آئی، چناں چہ امیر خسرو رحمہ اللہ نے دو جداگانہ ملفوظات، راحت المحبین اور افضل الفوائد کے نام سے جمع کیے اور ایک ملفوظ شیخ علی محمود جاندار رحمہ اللہ نے دُرَرِ نظامی کے نام سے مرتب کیا جو اب تک غیر مطبوع ہے۔①

لیکن تمام ملفوظات نظام الاولیا رحمہ اللہ میں سب سے بہتر اور سب سے زیادہ مستند وہ ملفوظ قرار پایا جسے مرید با اختصاص، میر حسن علا سنجری رحمہ اللہ نے فوائد الفواد کے نام سے جمع و تالیف کیا، اہلِ دل کے نزدیک یہ کتاب گویا چشتیہ نظامِ تصوف کا ایک مکمل دستور العمل ہے شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ اس کا تذکرہ کر کے لکھتے ہیں:

"آن کتاب درمیان خلفا و مریدان شیخ نظام الدین رحمہ اللہ دستور است"

(اخبار الاخیار صفحہ ۹۸، مطبع محمدی دہلی)

---

① میں نے قلمی نسخہ جو اغلاط کتابت سے معمور ہے آستانہ نظامیہ کے ایک خادم سیّد علیم الدین صاحب نظامی کے پاس دیکھا ہے اور ان کی عنایت سے اس سے مستفید ہوا ہوں۔

اور شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''فوایدالفواد دستورالعملِ سلوک است و بہ غایت خوب، ہر چند خسرو ہم ملفوظ جمع کردہ لیکن آن قدر مقبول نیست۔''

(ملفوظات شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ صفحہ ۳۷، مطبع مجتبائی میرٹھ)

''کتاب فوائدالفواد نہایت معتبر است و آن وقتِ دستورالعمل بود مگر دیگر ملفوظات مشتبہ است غالب کہ نہ باشد۔''

(ایضاً صفحہ ۸۱)

اور یہ اعترافات تو صدیوں بعد کے ہیں اسی زمانہ کے ایک عارف کا اقرار ملاحظہ ہو:

''امروز آن فوائدالفواد مقبولِ اہل دلانِ عالم شدہ است و دستورِ عاشقان گشتہ و شرق و غربِ عالم گرفتہ۔''

(سیر اولیا میر خورد دہلوی رحمہ اللہ، صفحہ ۳۰۸ مطبوعہ دہلی)

خود امیر خسرو رحمہ اللہ کی بابت منقول ہے کہ وہ رشک کے ٹھنڈے سانس کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ

''کاش میری تمام تصانیف حسن رحمہ اللہ کے نام سے ہوتیں اور ان کی یہ ایک کتاب میرے نام سے۔''①

یہ بھی روایات میں آیا ہے کہ

''حسن رحمہ اللہ نے اسی ملفوظ کو مرتب کر کے مرشد کی خدمت میں پیش کیا اور وہاں سے پروانہ قبول و سندِ پسندیدگی حاصل ہوئی۔''②

---

① اخبار الاخیار صفحہ ۹۸ و سیر الاولیاء صفحہ ۳۰۸

② خزینۃ الاصفیاء، غلام سرور لاہوری، جلد اوّل صفحہ ۳۲۴، نولکشوری

پیش نظر نسخہ مطبع نولکشور کا مطبوعہ متوسط تقطیع پر دو سو ساٹھ صفحہ کی ضخامت کا ہے اور پانچ حصوں میں تقسیم ہے:

پہلا حصہ

پہلا حصہ صفحہ ۱-۴۱ ہے اس میں شعبان ۷۰۷ھ سے لے کر ذی الحجہ ۷۰۸ھ ۳۴ مجلسوں کا ذکر ہے۔

حصہ دوم

حصہ دوم (صفحہ ۴۱-۹۰) میں شوال ۷۰۹ھ سے شوال ۷۱۲ھ تک ۳۷ مجلسوں کے تذکرے ہیں۔

حصہ سوم

حصہ سوم (صفحہ ۹۰-۱۱۳) میں ذی قعدہ ۷۱۲ھ سے ذی الحجہ ۷۱۳ھ تک ۱۵ مجلسوں کا بیان ہے۔

حصہ چہارم

حصہ چہارم (صفحہ ۱۱۴-۲۱۷) میں محرم ۷۱۴ھ سے رجب ۷۱۹ھ تک ۶۲ مجلسوں کے مذاکرے ہیں۔

حصہ پنجم

حصہ پنجم (صفحہ ۲۱۸-۳۶۰) میں شعبان ۷۱۹ھ سے رجب ۷۲۲ھ تک

۳۲ مجلسوں کے ارشادات جمع ہیں۔

اس طرح کل ۱۷۹ مجلسوں اور صحبتوں کی گفتگوئیں درج ہیں اور زمانہ کے لحاظ سے یہ مدت پندرہ سال تک پھیلی ہوئی ہے، گویا درمیان میں وقفہ بھی خاصہ طویل طویل ہے اور یہ مدت مسلسل نہیں۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ کا زمانہ وفات ربیع الثانی ۷۲۵ھ ہے گویا ان ملفوظات کا سلسلہ وقتِ وفات سے دوڈھائی سال قبل تک کا ہے۔

ظاہر ہے کہ کتاب محض مجموعۂ ملفوظات ہے یعنی جو ارشادات شیخ رحمۃ اللہ کی زبان مبارک سے مختلف صحبتوں اور مجلسوں میں نکلے، انھیں قلم بند کر کے یکجا کر دیا گیا ہے اس لیے جو اندازِ بیان اور اسلوبِ ترتیب ایک تصنیف کا ہوتا ہے اس کی تلاش ہی اس میں عبث ہے، انداز و اسلوب سے قطع نظر کر کے مغز و مطالب کے لحاظ سے بھی ظاہر ہے کہ گفتگوئیں کسی عام جلسہ میں نہیں، منبر وعظ پر نہیں بلکہ محض مریدوں اور حلقہ بگوشوں کے مختصر حلقہ کے سامنے ہوتی تھیں، اس لیے قدرتاً اس کے موقع بہت زاید تھے کہ اگر تصوف، شریعت اسلامی کے مخالف کسی شے کا نام ہوتا تو اس کے مخصوص عقاید و ارکان و اعمال کی تبلیغ اپنے مخصوص معتقدین کے سامنے بے خوف اور بے دھڑک کی جاتی پھر آفتابِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی غروب ہوئے سات سو سال کی مدت گزر چکی تھی ہر قسم کی بدعات زور وشور کے ساتھ پھیل چکی تھیں اور دین اچھی طرح رنگ آمیزیوں کا مجموعہ بن چکا تھا ان حالات میں توقع تو یہی قائم ہو سکتی ہے کہ اس ملفوظ میں شریعت سے ہٹ کر کسی جدید طریقت کی تلقین کی گئی ہوگی اور ارکانِ دین سے بے پروائی برت کر تصوف وفقر کے نئے نئے اصول وارکان سکھائے گئے ہوں گے۔

ان توقعات کے ساتھ کتاب کھولیے تو چند ہی سطروں کے بعد نظر اس عبارت پر پڑتی ہے اور پڑتے ہی جم جاتی ہے کہ

''لختے سخن در تزکیہ افتاد، ہر لفظ مبارک راند کہ کمال مرد در چہار چیز می

شود، قلۃ الطعام وقلۃ الکلام، وقلۃ الصحبۃ مع الانام وقلۃ المنام۔"

"ایک روز تزکیہ نفس پر گفتگو تھی ارشاد ہوا کہ کمال ان چار چیزوں سے پیدا ہوتا ہے کم کھانے سے، کم بولنے سے، کم ملنے جلنے سے اور کم سونے سے۔"

یہ نہیں ارشاد فرمایا کہ خوب دھوم دھام سے عرس کرنے سے، قبروں پر خوب چراغاں کرنے سے، مزارات کے غسل دینے سے، ان پر خوب اونچے اونچے قبہ بنانے سے، گاگر اور چادر اور صندل اٹھانے سے، شیرینیوں کا ڈھیر تربتوں پر لگا دینے سے کمال حاصل ہوتا ہے بلکہ حصول کمال کی راہیں ٹھیک وہی بتائیں جو دنیا کے سب سے بڑے معلم اور مرشد ﷺ اور ان کے شاگردوں اور مریدوں رضوان اللہ علیہم اجمعین کی راہیں تھیں یعنی کم خوری، کم سخنی، کم آمیزی اور کم خوابی۔ کیا سرورِ کائنات ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں کسی کا طریقہ (نعوذ باللہ) اس کے برعکس بہت زیادہ کھانے، بہت زیادہ باتیں کرنے، بہت زیادہ اور بے ضرورت میل جول اور بہت زیادہ سونے کا تھا۔

جامعِ ملفوظات کتاب کے شروع میں مجلس میں جب جب اپنی حاضری کا ذکر کرتے ہیں تو وقتِ حاضری، قبل نماز یا بعد نماز ہی بتاتے ہیں گویا نظامِ اوقات کا محور یا مرکز نماز ہی تھی بعد کی مجالس میں اس تصریح کا التزام غالباً غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیا۔ مجالس میں کبھی کبھی اور اتفاق سے نہیں، بلکہ بہ کثرت اور بار بار جن چیزوں کا ذکر ملتا ہے وہ نماز اور روزہ ہیں نوافل وسنن ہیں، اور قرآن وتراویح ہیں اور احترامِ شریعت واتباعِ سنت کی تاکیدیں ہیں۔

فقر وتصوف آپ کی نظر میں صرف وجد وحال کا نام نہ تھا بلکہ ظاہر وباطن دونوں کی آراستگی کا نام تھا فرماتے تھے کہ

"خلق بر چہار نوع است بعضے آن چنان اند کہ ظاہر ایشان آراستہ و

باطن خراب وبعضے آن چنان اند کہ ظاہر ایشان خراب و باطن آراستہ و
بعضے را ظاہر و باطن خراب باشد وبعضے را ظاہر و باطن آراستہ، طایفہ کہ
ظاہرِ ایشان آراستہ باشد و باطن خراب آن قوم متعبد ان اند کہ طاعت
بسیار کنند و دل ایشان مشغولِ دنیا باشد و طایفہ کہ باطنِ ایشان آراستہ
باشد و ظاہر خراب آن مجانین اند کہ درونہ ایشان با حق مقبول باشد و در
ظاہر سروسامان نباشد و طایفہ کہ ظاہر و باطن ایشان خراب باشد آن عوام
اند و طایفہ کہ ہم ظاہرِ ایشان آراستہ باشد و ہم باطن آن مشائخ اند۔''

(صفحہ ۱۳۴)

''لوگ چار قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جن کا ظاہر آراستہ اور باطن
خراب ہوتا ہے دوسرے وہ جن کا ظاہر خراب اور باطن آراستہ،
تیسرے وہ جن کا ظاہر و باطن دونوں خراب، چوتھے وہ جن کا
ظاہر و باطن دونوں آراستہ، اب جن کا ظاہر آراستہ و باطن خراب، وہ
لوگ متعبد کہلاتے ہیں کہ گو طاعت بہت کرتے رہتے ہیں لیکن ان کا
دل دنیا میں مشغول رہتا ہے اور وہ لوگ جن کا باطن آراستہ اور ظاہر
خراب ہے وہ مجانین (مجاذیب) ہوتے ہیں کہ ان کا دل حق سے لگا
ہوتا ہے لیکن عمل ظاہری نہیں رکھتے اور جن کے ظاہر و باطن دونوں
خراب وہ عوام ہیں اور جن کے ظاہر و باطن دونوں آراستہ ہیں وہی
مشائخ (فقرا) ہیں۔''

صوفی و مشائخ ہی ہیں کہ عموماً احکامِ شریعت کے پورے پابند ہیں بلکہ فرائض کسی
وقت بھی ان سے ترک نہیں ہوتے، استغراق و تحیر کا مفہوم ایسا ہے کہ اسی مقام کے لیے اگر
تکلیفات شرعیہ کے ساقط ہو جانے کا دعویٰ کیا جائے تو بلا بہ آسانی چل جائے۔ لیکن

حضرت نظام الاولیا رحمۃ اللہ علیہ کی غیرت ایمان کو اس قدر رعایت بھی گوارا نہیں، ایک مرتبہ مجلس میں ان متحیروں کا ذکر ہو رہا تھا جو دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر رہتے ہیں ایک صاحب نے اپنا مشاہدہ عرض کیا کہ

''میں نے فلاں مقام پر چند متحیروں کو دیکھا جو آسمان کی طرف ٹکٹکی لگائے شب و روز عالمِ حیرت میں رہا کرتے تھے لیکن جب نماز کا وقت آتا تو فوراً نماز پڑھ لیتے تھے اور اس کے بعد پھر اپنے اسی عالمِ متحیر میں واپس پہنچ جاتے تھے۔''

خاتم خواجگانِ چشت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصدیق فرمائی اور ارشاد فرمایا:

''ہمچنین باشد کہ گفتی اگر چہ شب و روز متحیر باشد اما نمازِ ایشان فوت نہ شود، از جنت این تحیر حکایت شیخ الاسلام حضرت قطب العالم خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمۃ اللہ علیہ فرمود قدس اللہ سرہٗ کہ او ہمچنین چہار شبانہ روز تحیر بود در وقت نقل۔''

(صفحہ ۱۳۴)

''بے شک ایسا ہی ہو گا جیسا تم نے کہا تحیرین دن رات رہیں لیکن ان کی نماز نہیں قضا ہونے پاتی اسی سلسلہ میں شیخ الاسلام حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمۃ اللہ علیہ کے تحیر کی حکایت بیان فرمائی کہ وفات کے وقت، مسلسل چار شب و روز ان پر تحیر طاری رہا۔''

خواجہ قطب الدین بختیار رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کی حکایت عام طور پر مشہور ہے یعنی محفلِ سماع برپا تھی قوال جب غزل کے اس شعر پر پہنچا ؎

کشتگانِ خنجر تسلیم را
ہر زمان از غیب جانے دیگرست

تو قطب عالم رحمۃ اللہ کی حالت متغیر ہونا شروع ہوئی جب خانقاہ سے گھر لائے گئے تو

''چوں از آن مقام بہ خانہ آمد مدہوش و متحیر بود، می فرمود کہ ہمیں بیت بگویند ہمین بیت پیش او می گفتند، او ہمچنان متحیر می بود چوں وقتِ نماز در می آمد نماز می گذارد و باز ہمیں بیت میگویاند حالتے و حیرتے پیدا می آمد چہار شبان روز ہم برین حال بود شب پنجم رحلت نمود۔''

(ایضاً)

''اس وقت مدہوش و متحیر تھے اور کہتے جاتے تھے کہ اسی شعر کی تکرار کیے جاؤ تکرار ہو رہی تھی اور وہ اسی طرح مدہوش تھے جب نماز کا وقت آتا نماز پڑھ لیتے تھے اور پھر اسی شعر کی تکرار کرانے لگتے تھے اور حال و حیرت کا عالم ان پر طاری ہو جاتا چار شب و روز برابر یہ حالت رہی پانچویں شب کو انتقال فرمایا۔''

احترام و اتباعِ شریعت کی یہ انتہائی مثال ہے کہ باوجود بے خبر اور بے ہوش ہونے کے نماز کے لیے ہوش اور باخبری بہر حال باقی رہتی ہے، ایک یہ سرتاج چشتیہ بہشتیہ کی مستی و بیخبری تھی کہ اپنے کھانے پینے، سونے، جاگنے، پہننے اوڑھنے سے یکسر مدہوش و بے خبر لیکن اللہ کے باندھے ہوئے فرض کے لیے باہوش، باخبر اور ایک آج کل کے مست و قلندر صوفی ہیں کہ اپنے ہر آرام و آسائش ہر لطف و لذت کا ہوش اور صرف اللہ کے باندھے ہوئے فرائض کے باب میں مدہوش و بے خبر۔

جس وقت خاص شفقت و التفات فرماتے تھے اس وقت بھی تاکید ''طاعت'' و ''عبادت'' ہی کی ہوتی تھی، جامعِ ملفوظات کہتے ہیں کہ ۱۵ شعبان ۸۰۷ھ کو جب حضوری نصیب ہوئی تو

''بندہ راپیش طلبید، فرمود کہ باید کہ مشغول پیوستہ بہ طاعت وعبادت باشی بہ اوراد وادعیہ راگرچہ ہم مطالعہ کتابِ مشائخ باشد مشغول باشی و بیکار نہ باشی۔''

(صفحہ ۲۴)

''بندہ کو اپنے پاس طلب فرمایا اور ارشاد کیا کہ ہمیشہ طاعت وعبادت میں اوراد اور دعاؤں کے ذریعہ سے مشغول رہنا چاہیے خواہ کتبِ مشائخ ہی کا مطالعہ جاری رکھو لیکن بہرحال مشغول رہو، بیکار نہ رہو۔''

اسی طرح ۲۹ جمادی الآخر ۷۱۳ھ کی مجلس کے تحت میں مذکور ہے کہ سعادتِ قدم بوسی حاصل ہوئی، نمازِ جماعت کے فضائل کا تذکرہ ہوا، بندہ سے ارشاد ہوا کہ نماز باجماعت ہی پڑھنا چاہیے بندہ نے عرض کیا کہ

''میرے مکان کے قریب مسجد ہے لیکن جس مکان میں ہم لوگ رہتے ہیں اگر وہاں سے ہم اُٹھ کر چلے جائیں تو کاغذ وکتاب وغیرہ کی حفاظت کے لیے کوئی موجود نہیں رہتا، اس لیے مکان ہی پر جماعت کے ساتھ پڑھ لیتے ہیں۔''

ارشاد ہوا کہ

''جماعت سے ضرور پڑھنا چاہیے اور بہتر یہی ہے کہ مسجد میں پڑھی جائے۔''

(صفحہ ۱۰۲)

ہمارے زمانہ کے کتنے مشائخ ہیں جن کے نزدیک سرے سے نماز ہی غیرضروری ہے۔ جماعت کی تاکید اور مسجد کی اہمیت کا بھلا کیا ذکر ہے؟

آج سجادگی کے لیے جھگڑے اور فساد ہوتے ہیں، گدی نشینی کے لیے مقدمہ

بازیاں ہوتی ہیں اور نذر و نیاز اور چڑھاوے کی آمدنیوں کے حصہ تقسیم ہوتے وقت کیا کچھ نہیں ہوتا اور اس حبِ دنیا کا نام ''تصوف'' رکھ لیا گیا ہے۔ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ ایک اور بزرگ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ

''اوراد و تسبیح، نماز و روزہ ان سب کی مثال دیگ کے مصالحہ کی ہے اور دیگ کا گوشت ترکِ تعلقِ دنیا ہے جس طرح محض گھی اور نمک اور مصالحہ ڈال دینے سے بغیر گوشت ڈالے ہوئے شوربہ تیار نہیں ہوسکتا اسی طرح بغیر ترکِ حبِ دنیا کے سارے اعمال بے نتیجہ ہیں لیکن گوشت اگر موجود ہے تو سب کچھ موجود ہے، اسی طرح ترکِ دنیا اگر موجود ہے تو بجائے خود کافی ہے، لیکن خود ترکِ دنیا کا کیا مفہوم ہے؟ کیا اس سے جوگیوں اور راہبوں کے طریقہ مراد ہیں؟''

تصوفِ اسلام کا یہ امام اس کی وہی تشریح کرتا ہے جو اس کے آقا و مخدوم رسولِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی تھی:

''ترکِ دنیا آں نیست کہ کسے خود را برہنہ کند مثلاً لنگوٹہ بہ بندد و بنشیند ترکِ دنیا آں ست کہ لباس بہ پوشد و طعام بخورد، اما آنچہ میرسد روا بدارد و بہ جمع او میل نہ کند و خاطر را متعلق چیزے ندارد ترکِ دنیا ست۔''

(صفحہ۹)

''ترکِ دنیا کے معنی یہ نہیں کہ اپنا لباس اُتار دیا جائے اور انسان لنگوٹہ باندھ کر بیٹھ رہے، ترکِ دنیا کے معنی یہ ہیں کہ انسان لباس بھی پہنے اور کھانا بھی کھائے البتہ جو کچھ کماتا رہے خرچ کرتا رہے جوڑ جوڑ کر نہ رکھے اور دل کو کسی چیز میں اٹکائے نہ رکھے، یہ ہے ترکِ دنیا۔''

تصوفِ اسلام کے اوراق میں بار بار کہا جا چکا ہے کہ طریقت، شریعت سے جدا اور مخالف نہیں بلکہ شریعت ہی کے مغز یا عطر یا روح کا نام ہے۔ فقہائے شریعت نے صرف ظاہری پہلو کو لے لیا اور فقرا نے اپنی نظر باطنی پہلو پر رکھی، محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ کے ملفوظ مبارک میں بار بار اسی خیال کی تکرار ملتی ہے۔ ایک روز حضرت شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ کی حکایت بیان فرمائی کہ

''آپ رحمۃ اللہ سیاحی کرتے ہوئے بدایوں وارد ہوئے اور یہاں قیام فرمایا۔ ایک روز حاکم شہر کے مکان پر جو قاضی تھے، ملنے کو گئے، خدمت گاروں نے کہا کہ اس وقت قاضی صاحب نماز میں مشغول ہیں، شیخ رحمۃ اللہ نے تبسم کے ساتھ فرمایا:

''قاضی صاحب نماز پڑھنا جانتے بھی ہیں؟''

دوسرے روز قاضی صاحب شیخ رحمۃ اللہ کے مکان پر آئے اور کہا کہ

''کل آپ رحمۃ اللہ نے یہ کیسے فرما دیا تھا کہ قاضی نماز پڑھنا جانتے بھی ہیں؟ میں تو مسائلِ نماز و احکام پر متعدد کتابیں تصنیف کر چکا ہوں۔''

شیخ نے کہا کہ

''عالموں کی نماز دوسری ہوتی ہے اور فقیروں کی دوسری۔''

قاضی صاحب بولے کہ

''کیا فقیر کوئی اور قرآن پڑھتے ہیں، یا رکوع اور سجدہ کسی نئے طریقہ پر کرتے ہیں؟''

شیخ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ

''عالموں کی نماز بس اسی قدر ہے کہ کعبہ کو نظر میں کر لیا یا اگر دور ہیں تو جہتِ کعبہ کو اور اگر یہ بھی نہ معلوم ہو سکا تو انداز سے جہتِ کعبہ کو تصور

کر کے نماز شروع کر دی لیکن فقیروں کی نماز یوں نہیں ہوتی، وہ جب
تک عرشِ الٰہی پر نظر نہیں جما لیتے، نماز نہیں شروع کرتے۔"

(صفحہ ۲۳۶۔۲۳۷)

نماز میں حضورِ قلب کی اس سے زیادہ تاکید اور اس سے بہتر تفسیر کوئی کیا کر سکتا
ہے؟

آج عبادت وریاضت وادائے فرایض واتباعِ شریعت سے بچنے کے لیے ایک
لفظ "عشق ومحبت" گھڑ لیا گیا ہے اور ہر نافرمانی کو اسی پردہ میں چھپا لیا جاتا ہے، لیکن
"صدقِ محبت" کی تشریح ذرا عاشقوں کے اس سردار کی زبان سے ملاحظہ ہو:

"صدقِ محبت متابعت ست، چون کسے محبِ ایشان ہر آئینہ متابعت
ایشان کند واز ناشایستہ دور باشد چون این چنین شود ہر آئینہ گناہ نہ
نویسند، آن گاہ فرمود کہ تا محبتِ حق در غلافِ قلب باشد امکانِ
معصیت ہست، اما چون محبت در سویدا قلب در آید بیش امکانِ
معصیت نہ باشد۔"

(صفحہ ۲۰۹)

"محبت کی سچائی متابعت سے ظاہر ہوتی ہے جب کوئی ان سے محبت
کرے گا تو یقیناً ان کی متابعت بھی کرے گا اور اعمال ناشایستہ سے
دور رہے گا اور جب ایسا ہوگا تو لامحالہ اس کے گناہ بھی نہ لکھے جائیں
گے، پھر ارشاد ہوا کہ محبتِ حق جب تک غلافِ قلب میں ہے گناہ کا
امکان باقی ہے، لیکن جب محبت سویدا قلب میں داخل ہو جاتی ہے تو
معصیت کا امکان نہیں باقی رہتا۔"

آج کتنے مدعیانِ فقر وتصوف کے نزدیک طریقت کا دارومدار قوالی کی محفلوں اور

سارنگی اور ہارمونیم کی آوازوں پر رہ گیا ہے، لیکن سلسلۂ چشتیہ کے اس آفتاب کے نزدیک سماع کا مزامیر کے ساتھ سننا قطعاً جائز ہی نہ تھا ایک روز حاضرین

''یکے از حاضران گفت کہ ہمدرین روز ہا بعضے از درویشان آستانہ دارد بر مجمعے کہ چنگ و رباب و مزامیر بود رقصہا کردند، خواجہ ذکراللہ بالخیر فرمود کہ نیکونہ کردہ اند، آنچہ نامشروع ست ناپسندیدہ ست۔''

(صفحہ ۲۲۷)

''محفل میں سے ایک شخص نے کہا کہ ایک روز آستانۂ مبارک کے حاضر باش بعض درویش ایسے مجمع میں جس میں رباب و مزامیر تھے، رقص کر رہے تھے، حضرت خواجہ رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ ''برا کیا جو شے نا مشروع ہے، ناپسندیدہ ہے۔''

جب یہ درویش لوٹ کر آئے تو ان سے دریافت کیا گیا کہ اس مجلس میں مزامیر بھی تھے تم نے سماع کیسے بنا؟ انھوں نے جواب میں عرض کیا کہ

''ہم سماع میں اس قدر مست و مستغرق ہو گئے کہ مزامیر کے ہونے نہ ہونے کا پتہ ہی نہ چلا۔''

حضرت خواجہ رحمۃ اللہ نے ارشاد فرمایا:

''یہ جواب کچھ بھی نہیں، وہ عمل معصیت ہی میں لکھا جائے گا۔''

(صفحہ ۳۲۷)

اسی طرح ایک دوسرے موقع پر بھی ذکر ہے کہ کسی شخص نے آ کر خدمت والا میں عرض کی کہ ''فلاں مقام پر آپ رحمۃ اللہ کے بعض مرید مزامیر کے ساتھ سماع سن رہے تھے۔''

حضرت رحمۃ اللہ نے ناپسندیدگی کے ساتھ فرمایا کہ

''انھوں نے برا کیا، میں منع کر چکا ہوں کہ مزامیر نہ ہونی چاہیے۔''

اس کے بعد اس باب میں یہاں تک تاکید فرمائی اور اتنی احتیاط کے لیے ارشاد فرمایا کہ

''اگر نماز جماعت کے ساتھ ہو رہی ہو اور جماعت میں عورتیں بھی شامل ہوں اور نماز میں امام کو سہو ہو تو مرد تو سبحان اللہ کہہ کر اسے متنبہ کر سکتے ہیں لیکن عورت اگر لقمہ دینا چاہے تو آواز سے نہ کہے، بلکہ اس کی آواز غیر مردوں کے کان میں جائے گی، بلکہ ہاتھ پر ہاتھ مار کر امام کو متنبہ کرے، لیکن اس میں بھی یہ احتیاط رکھے کہ ہتھیلی پر ہتھیلی نہ مارے کہ یہ تالی بجنے کی شکل ہے جو داخل لہو ہے بلکہ ایک ہتھیلی کو دوسری ہتھیلی کی پشت پر مارے جب ملاہی میں یہ احتیاط ہے کہ دستک تک کی اجازت نہیں تو مزامیر کیوں کر جائز ہو سکتے ہیں؟''

(صفحہ ۹۵)

حضرت خواجہ رحمۃ اللہ سماع سنتے رہتے تھے، لیکن آپ رحمۃ اللہ کے نزدیک سماع کن کن شرایط و قیود کے ساتھ جائز تھا ذرا اسے بھی سن لیا جائے فرماتے تھے:

''گفت ہر گاہ کہ چند چیز جمع شود سماع آنگاہ شنود و آں چند چیز چیست، سمع و مسموع مستمع و آلتِ سماع، آنگاہ ایں تقسیم را فائدہ فرمود و گفت کہ مسمع گوینده است ادمی باید کہ مرد باشد و مرد تمام بود کودک نہ باشد و عورت نہ باشد، مسموع انچہ می گویند باید کہ ہزل و فحش نہ باشد، مستمع آنکہ می شنود او ہم باید کہ بہ حق شنود و مملو از یادِ حق باشد، آلتِ سماع چوں چنگ و رباب و امثالِ آں باید کہ درمیان نہ باشد ایں چنیں سماع حلال ست۔''

(صفحہ ۲۴۶)

''جب چند شرائط جمع ہو جائیں، اس وقت سماع سنے وہ چند چیزیں ہیں کیا؟ مسمع (۱)، مسموع (۲)، مستمع (۳)، آلۂ سماع (۴)، پھر اس تقسیم کی شرح یوں فرمائی، کہ مسمع سے مراد قوال ہے اور قوال کو مرد اور مرد بالغ ہونا چاہیے یعنی عورت اور امرد نہ ہو، مسموع سے مراد کلام ہے کلام میں ہزل وفحش کی آمیزش نہ ہونا چاہیے۔ مستمع سے مراد سننے والا ہے اسے چاہیے کہ حق کے لیے سنے اور اس کا دل یادِ حق سے لبریز ہو اور آلۂ سماع مثل چنگ ورباب وغیرہ کے کچھ موجود نہ ہو، جب یہ شرائط جمع ہوں تو وہ سماع حلال ہوگا۔''

آج کتنے اعراس کی محفلوں میں یہ شرایط پورے نہ سہی کسی حد تک بھی لحاظ رکھے جاتے ہیں؟ آج کتنے سماع خانوں کی مجلسیں اس معیار پر پوری اُترتی ہیں؟ لیکن ایسے خالص وپاکیزہ سماع کے باب میں بھی قول فیصل سن لیجیے:

''سماع صوتے ست موزون حرام چرا باشد دیگر تحریکِ قلب ست اگر آن تحریک بہ یادِ حق باشد مستحب است واگر میل بہ فساد باشد حرام بود۔''

(صفحہ ۲۴۶)

''سماع نام ہے آواز موزوں کا محض اس کی حرمت کی کوئی وجہ نہیں، لیکن اسی کے ساتھ قلب کو بھی تحریک ہوتی ہے، اگر یہ تحریک یادِ حق کی ہے تو مستحب ہے لیکن اگر مائل بہ فساد ہے تو حرام ہے۔''

یہ ہجرتِ نبوی ﷺ سے سات سو سال بعد والا ہندی تصوف ہے جس میں ہندی اور عجمی غیر اسلامی عنصروں کی آمیزش بہ کثرت ہو چکی تھی آج کا تصوف پہلی صدی ہجری کے مطابق نہ سہی کاش آٹھویں صدی ہی کے معیار کے مطابق ہوتا۔

بابٌ ۷

منطقُ الطیر

(شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ)

اب تک جن تصانیف سے تعارف ہوا سب نثر کی تھیں، لیکن قدما ہی کے دورآخر میں معارف ایمانی وحقایق روحانی کو نظم میں ادا کرنے کی بنیاد پڑ چکی تھی، جسے متوسطین نے معراجِ کمال پر پہنچایا، سنائی، مغربی، عراقی، نظامی، سلطان ابوسعید، خسرو، جامی رحمۃ اللہ علیہم یہ سب نثر سے کہیں زیادہ آزادی و بے تکلفی کے ساتھ نظم میں اسرار ومعارف کو بیان کرتے ہیں اور مولانائے رومی رحمۃ اللہ نے تو زبانِ شعر کو الہامی بنا دیا، شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ بھی اسی جماعت کے ایک مقتدر رکن اور دورِ قدما کی آخری یادگار ہیں، دیکھنا یہ ہے کہ یہ رندِ سرمست جب میکدۂ شعر میں قدم رکھتا ہے تو جبہ و دستار کا احترام کس حد تک ملحوظ رکھتا ہے۔

(ا) مصنف

اسم مبارک محمد بن ابی بکر ابراہیم ہے کنیت ابوحامد یا ابوطالب، لقب فرید الدین، تخلص عطاؔر، عام زبانوں پر اسم مشہور فرید الدین عطار رحمۃ اللہ ہے۔

ولادت مضافاتِ نیشاپور میں ہوئی تھی، مزار بھی وہیں ہے سنِ ولادت غالباً ۵۱۳ھ ہے، سالِ وفات میں بہت اختلافات ہیں، نفحات الانس کی روایت کے مطابق ۶۲۷ھ ہے عمر کے بہت طویل ہونے پر سب تذکرہ نگار متفق ہیں، سببِ وفات بھی سب کو مسلم ہے یعنی تاتاریوں کے ہاتھ سے جامِ شہادت نوش فرمایا۔

ابتدا میں ایک بہت بڑے کارخانۂ ادویہ کے مالک تھے ایک روز اپنے کاروبار میں مصروف تھے کہ ایک فقیر نے آ کر صدا لگائی کہ

''خدا کے نام پر کچھ دلاؤ۔''

یہ مخاطب نہ ہوئے، اُس نے کئی بار صدا لگائی، یہ اس قدر منہمک تھے کہ جواب تک دینے کی فرصت نہ پائی، اُس نے کہا:

''مشغولیت کا یہ حال ہے جان کیسے دو گے؟''

انھوں نے جھنجھلا کر کہا:

''جیسے تم دو گے۔''

فقیر نے کہا:

''بھلا میری طرح کیا دو گے؟''

یہ کہا اور سر کے نیچے کاسہ گدائی رکھ کر لیٹ گیا، زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہا اور روح پرواز کر گئی۔ شیخ کے قلب پر اس واقعہ کا سخت اثر پڑا، کارخانہ کھڑے کھڑے لٹا دیا اور خود اسی وقت سے درویشی اختیار کر لی۔ ①

پہلے شیخ رکن الدین اسکاف کی خدمت میں کئی سال بسر کیے پھر سفر و زیارتِ بیت اللہ کو نکلے اور بہت سے مشائخ کی خدمت میں رہے، بالآخر شیخ مجد الدین بغدادی رحمۃ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور آگے چل کر سلوک و عرفان کے وہ مراتب طے کیے کہ خود اپنے مرشد

① نفحات الانس صفحہ ۶۹۸ (کلکتہ) و تذکرہ ہفت اقلیم امین رازی وغیرہ

کے لیے باعث فخر ہوئے۔

شہادت کا واقعہ تذکروں میں یوں درج ہے کہ

''تاتاریوں کے عین ہنگامہ میں ایک سپاہی نے شیخ کو اسیر کیا اتنے میں ایک راہ گیر نے کہا کہ

''اس پیر مرد کو قتل نہ کرو، دس ہزار اشرفیاں معاوضہ لے کر میرے حوالہ کردو۔''

شیخ رحمہ اللہ نے کہا:

''خبردار! اتنے پر مجھے فروخت نہ کرنا، میں اس سے کہیں زیادہ قیمت رکھتا ہوں۔''

آگے بڑھ کر ایک اور شخص ملا اُس نے کہا کہ

''اس پیر مرد کو مجھے دے ڈالو میں ایک گٹھا گھاس کا اس کے معاوضہ میں دیتا ہوں۔''

شیخ رحمہ اللہ نے کہا:

''ہاں! دے ڈال کہ میری قیمت اس سے بھی کم ہے۔''

تاتاری سپاہی سمجھا کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ اس سے دل لگی کررہے ہیں غصہ میں آکر وہیں سرتن سے جدا کردیا۔①

جلالتِ مرتبہ کے اندازہ کے لیے یہ حقیقت کافی سے زائد ہے کہ مولانائے روم رحمہ اللہ متعدد مقامات پر شیخ فریدالدین رحمہ اللہ کا نام بہ حیثیت اپنے مقتداو پیشوا کے لیتے ہیں اوران کی عظمت کا بار بار اعتراف کرتے ہیں ایک جگہ فرماتے ہیں:

گرد عطار گشت مولنا
شرب از دست شمس بودش نوش

① تذکرۂ دولت شاہ سمرقندی و مفتاح التوارخ وغیرہ

ایک اور موقع پر

عطار روح بود و سنائی دو چشمِ او
مادر پسِ سنائی و عطار آمدیم

ایک اور موقع پر اعترافِ کمال انتہائی عقیدت کے ساتھ ہے:

ہفت شہرِ عشق را عطار گشت
ما ہنوز اندر خمِ یک کوچہ ایم

اسی تعظیم و احترام کے ساتھ مثنوی میں بھی جا بجا نام لیا ہے اور ان کے اشعار کو اپنے کلام میں ضم کیا ہے۔

ملا جامی رحمہ اللہ، مولانا رومی رحمہ اللہ کا یہ معقولہ بھی نقل کرتے ہیں کہ نور منصور نے ڈیڑھ سو برس کے بعد شیخ عطار رحمہ اللہ پر تجلی کی اور ان کا مربی رہا۔

جامی رحمہ اللہ خود اپنی رائے کا ان الفاظ میں اظہار کرتے ہیں:

''و آن قدر اسرارِ توحید و حقایقِ اذواق و مواجید کہ در مثنویات و غزلیاتِ وی اندراج یافتہ در سخنان ہیچ یک ازیں طائفہ ثابت نمی شود جزا اللہ سبحانہٗ عن الطالبین المشتاقین خیر الجزا①''

تصانیفِ نظم و نثر بہت کثرت سے ہیں بعض روایات کے مطابق ان کی روایت سورۂ قرآنی کے ہم عدد یعنی ۱۱۴ ہے، قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین میں یہی روایت اختیار کی ہے جیسا کہ اشعارِ ذیل سے واضح ہوگا

ہماں خریطہ کشِ داروے فنا عطار
کہ نظمِ اوست شفا بخشِ عاشقانِ حزیں

① نفحات صفحہ ۶۹۸

مقابلِ عددِ سورۂ کلام نوشت
سفینہائے عزیز و کتابہائے گزیں

اس روایت کی صحت کا علم تو عالمِ مطلق ہی کو ہے، زیادہ مشہور و معتبر کتابوں کے نام حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ تذکرۃ الاولیاء (نثر میں قدمائے صوفیہ کا مفصل تذکرہ)

۲۔ منطق الطیر

۳۔ مصیبت نامہ

۴۔ اسرار نامہ

۵۔ میسر نامہ

۶۔ الٰہی نامہ

۷۔ دیوان

۸۔ پند نامہ

۹۔ وصیت نامہ

۱۰۔ خسرو و گل

۱۱۔ شرح القلب

بعض ایسی کتابیں بھی شیخ رحمہ اللہ کی جانب منسوب کر دی گئیں ہیں جو قطعاً جعلی ہیں مثلاً:

لسان الغیب جس کا نسخہ برٹش میوزیم (لندن) میں موجود ہے اور جس کے بہت سے اشعار ایک شیعہ مقدمہ نویس نے مقدمۂ تذکرۃ الاولیاء (مطبوعہ یورپ) میں حضرت شیخ رحمہ اللہ کی شیعیت کے ثبوت میں پیش کیے ہیں۔ شیخ رحمہ اللہ کی ذات گرامی اس سے کہیں ارفع ہے کہ ان اتہامات کی تفصیلی تردید پر توجہ کی جائے۔

مزاج میں خاکساری وفروتنی جس درجہ کی تھی اس کا ثبوت تذکرۃ الاولیاء کے دیباچہ کی ایک ایک سطر میں ملتا ہے۔اپنے تئیں سب سے زیادہ حقیر اور ناچیز سمجھتے تھے اور غالباً یہ خاکساری ہی کی مقبولیت کا ثمرہ ہے کہ آج ان کا نام سرآمدِ عارفان وسرتاجِ عاشقاں کی حیثیت سے زندہ وروشن ہے۔

(۲) تصنیف

تذکرۃ الاولیاء کے بعد حضرت عطار رحمۃ اللہ کی مقبول ترین تصنیف یہی منطق الطیر ہے اس کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ مولانائے روم رحمۃ اللہ کی مشہور ومعروف مثنوی کا نقش اول یہی مثنوی ثابت ہوئی ہے۔بعض تذکروں میں صراحت کے ساتھ یہ روایت درج ہے کہ

> ''شمس تبریز وصلاح الدین زرکوب رحمۃ اللہ علیہما کے انتقال کے بعد جب مولانا رحمۃ اللہ کے التفات خاص کے مورد حسام الدین چلپی ہوئے تو ایک بار انھوں نے مولانا رحمۃ اللہ سے عرض کیا کہ
>
> ''غزلیات کا مجموعہ بہت ہو چکا اب کچھ توجہ مثنوی پر ہو اور شیخ عطار رحمۃ اللہ کی منطق الطیر کی طرز پر کوئی مسلسل نظم ارشاد فرمائی جائے۔''
>
> مولانا رحمۃ اللہ نے دستار سے ایک کاغذ نکال کر چلپی کو دیا جس میں مثنوی کے تیرہ ابتدائی اشعار، ع بشنو از نے چون حکایت میکند'' سے لے کر ع''در نیابد حال پختہ ہیچ خام'' تک لکھے ہوئے تھے اور ارشاد فرمایا کہ قبل اس کے کہ یہ فرمائش تمہاری زبان سے ادا ہو اس کی تعمیل ہو گئی۔''

مثنوی و منطق الطیر کا وزن ایک ہے موضوع ایک ہے اور افسانوں سے اخلاق وتصوف کے درس حاصل کرنے کا اسلوب ایک ہے، مولانا رحمہ اللہ نے عطار رحمہ اللہ کے حقِ تقدم کو مثنوی میں جابجا تسلیم کیا ہے اور اُن کے متعدد اشعار کو اپنے کلام میں ضم کر کے پیش کیا ہے۔

مضامینِ کتاب کی ترتیب یہ ہے کہ

''حمد ونعت ومنقبت خلفائے اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد اصل قصہ کا آغاز کیا ہے اشخاص افسانہ بجائے انسانوں کے چند پرندے فرض کیے ہیں ہدہد، طوطی، مرغ، فاختہ، قمری، بلبل، باز وغیرہ ایک روز یہ سب پرندے یکجا ہوتے ہیں اور اپنا ایک بادشاہ منتخب کرنا چاہتے ہیں۔ ہدہد سیمرغ کا نام پیش کرتا ہے اس پر دوسرے پرندے معترض ہوتے ہیں۔ ہدہد ایک ایک کا اعتراض سنتا اور الگ الگ سب کو جواب دیتا ہے بالآخر اس پیامبرِ حق وعرفان (ہدہد) کی تفہیم وتبلیغ سے تمام طیور شاہ شاہانِ سیمرغ کے حلقۂ اطاعت وانقیاد میں آجاتے ہیں، سوالات وہی ہیں جو عموماً ہر طالب وسالک کے دل میں پیدا ہوتے ہیں اور ان کے جوابات جادۂ سلوک وعرفان کے مختلف مقامات ہیں، لفظ ''منطق الطیر'' کا ماخذ کلام کی آیہ کریمہ

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ.

(سورۂ نمل، رکوع ۲)

(ہدہد چونکہ طیور سلیمانی میں بلحاظ فہم ودانش مرتبہ بلند رکھتا تھا شیخ رحمہ اللہ نے طریقت کے حقائق ومعارف اسی کی زبان سے ادا کرائے

ہیں۔)

حمد بہت مفصل لکھی ہے سب سے زیادہ زور بندہ کی بے چارگی، بے علمی و درماندگی پر ہے۔

عقل و جان و دین و دل در باختم
تا کمالِ ذرّۂ بشناختم
لب بدوز از عرش و ز کرسی مپرس
گرچہ یک ذرہ ہمی پرسی مپرس
عقل تو چوں در سرِ موئے بہ سوخت
ہر دو لب باید ز پرسیدن بدوخت
کس نداند کنہ یک ذرہ تمام
چند گویم کس نداند والسلام

(صفحہ ۳)

اسمائے حکیم ولطیف کی تجلیات حیرت انگیز طریقوں سے ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ عقلِ بشری حوادثِ فطرت کو دیکھ کر دنگ رہ جاتی ہے انبیائے کرام علیہم السلام تک کو عجیب و غریب حالات میں رکھا گیا ہے۔

سوی کنہِ خویش کس را راہ نیست
ذرّۂ از ذرّۂ آگاہ نیست
در نگر اول کہ با آدم علیہ السلام چہ رفت
عمرہا با او دریں عالم چہ رفت
باز بنگر نوح علیہ السلام در غرقاب کار
تا چہ برو از کافراں سال ہزار

حضرت یعقوب علیہ السلام کی سرگردانی و گریہ وزاری، حضرت یوسف علیہ السلام کی غلامی و اسیری، حضرت ایوب علیہ السلام کی ستم کشی و برداشتِ مصائب، یہ چند نمونے ہیں باقی تقریباً تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی زندگی طلسم سازِ فطرت کی انھیں کرشمہ نماؤں کا ایک مسلسل مظہر ہے اور تو اور حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کی حیات طیبہ اسی قسم کے خوارقِ فطرت سے لبریز ہے۔

عنکبوتے را بہ حکمت دام داد
صدرِ عالم را در و آرام داد

(صفحہ ۴)

معرفتِ باری کی صرف صورت یہ ہے کہ انسان اپنی خودی کو اس ہستی مطلق میں گم کردے۔

تو مباش اصلاً کمال ایں ست و بس
تو درو گم شو وصال ایں ست و بس
تو درو گم شو حلولے آن بود
ہرچہ آں نبود فضولے آن بود

(صفحہ ۱۰)

اس تک پہنچنے کا طریقہ صرف یہ ہے کہ اپنی بے بسی و عجز کا اعتراف کیا جائے، بجائے خدا سے ڈرنے کے خود اپنے سے خوف کیا جائے اور بارگاہِ ارحم الراحمین میں بصد تضرع والحاح مناجات کی جائے کہ وہ اپنے دردِ محبت کا ایک ذرہ ہی عنایت کردے۔

خلق ترسد از تو من ترسم از خود
کز تو نیکی دیدہ ام و ز خویش بد

....

اے ز فضلت ناشدہ نو میدِ کس
حلقہ داغِ توام جا و بد بس
ہر کرا خوش نیست دل بر دردِ تو
خوش مباد از آنکہ نبود مردِ تو
ذرۂ در دم دہ ای درمانِ من
زانکہ بے دردت بہ میرو جانِ من
کفر کافر را و دین دیندار را
ذرۂ دردت دلِ عطار را

(صفحہ ۱۷)

نعت گوئی حضرت عطار رحمۃ اللہ کا خاص جوہر ہے ملا جامی رحمۃ اللہ کی طرح وہ بھی اس صنفِ سخن کے مالک ہیں، خلوص و نیاز کا رنگ ایک ایک لفظ سے جھلک رہا ہے ذوق و شیفتگی ایک ایک مصرعہ سے ٹپک رہی ہے۔

خواجۂ دنیا و دین گنجِ وفا
صدر و بدرِ ہر دو عالم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
آفتابِ شرع و دریائے یقین
نورِ عالم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
خواجہ کونین سلطانِ ہمہ
آفتابِ جان و ایمانِ ہمہ
پیشوائے این جہان و آن جہان
مقتدائے آشکار او نہان
خواجہ کز ہر چہ گویم پیش بود

و ز ہمہ چیز از ہمہ در پیش بود
ہمچو شبنم آمد از بحر وجود
خلقِ عالم از طفیلش را وجود
آفرینش را جز او مقصود نیست
پاک دامن تر ازو موجود نیست
عقل را در خلوتِ او راہ نیست
علم نیز از وقتِ او آگاہ نیست
چوں پر و سیمرغ ذاتش آشکار
موسیٰ علیہ السلام از وحشت پرو موسیچہ دار
رفت موسیٰ علیہ السلام بر بساطِ آنجناب
خلع نعلین آمدش از حق خطاب
باز در معراج شمع ذوالجلال
می شنید آوازِ نعلینِ بلال رضی اللہ عنہ
موسیٰ علیہ السلام عمران علیہ السلام چو آن دولت بدید
چاکرِ او را چنین قدرت بدید
گفت یا رب امتِ او کن مرا
در طفیل ہمتِ او کن مرا

یہ تمام توصیف صیغۂ غائب میں تھی، اب گویا حضوری نصیب ہوئی، اب جو معروضات براہِ راست بارگاہِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش ہو رہے ہے، ان کا بھی نمونہ ملاحظہ ہو۔

تا ابد شرعِ تو و احکامِ تست
ہمسرِ نامِ الٰہی نامِ تست

یارسول اللہ ﷺ بسے درماندہ ام
باد بر کف خاک بر سر ماندہ ام
بیکسان را کس توئی در ہر نفس
من ندارم در دو عالم جز تو کس
یک نظر سوئے من غمخوارہ کُن
چارۂ کارِ منِ بیچارہ کُن
گرچہ ضایع کردہ ام عمر از گناہ
توبہ کردم عذرِ من از حق بخواہ
گرزِ لاتامن بود ترسے مرا
ہست از لا تائیسو اورسے مرا
اے شفاعت خواہ مشتے تیرہ روز
لطف کن شمع شفاعت بر فروز
دیدۂ جان را لقائے تو بس است
ہر دو عالم را رضائے تو بس است

(صفحہ ۲۱)

آگے چل کر خلفائے اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مناقب بیان کیے ہیں بعض حلقوں میں عطار رحمۃ اللہ کو شیعہ مشہور کرنے کی جو عجیب کوشش کی گئی ہے اور اس کے ثبوت میں جو لغو اشعار ان کی جانب منسوب کیے گئے ہیں ذرا اس کو پیشِ نظر رکھ کر ذیل کی مدحِ چار یار رضوان اللہ علیہم اجمعین سنئے ابتدا ''افضل البشر بعد از انبیا علیہم السلام'' سے ہوتی ہے: ؎

خواجۂ اول کہ اول یارِ اوست
ثانی اثنین او ہما فی الغارِ اوست

صدرِ دین، صدیقِ اعظم، قطبِ حق
در ہمہ چیز از ہمہ بُردہ سبق
ہر چہ حق از بارگاہِ کبریا
ریخت در صدرِ شریف مصطفیٰ ﷺ
آن ہمہ در سینۂ صدیق ریخت
لاجرم تا بود از و تحقیق ریخت

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی جلالتِ قدر کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

خواجۂ شرع آفتابِ شرعِ دین
ظلِ حق فاروق اعظم رضی اللہ عنہ شمعِ دین
ختم کردہ عدل و انصافش بحق
تا فراست بر دہ بر ہبش سبق
آنکہ دارد بر صراط اول گذر
ہست او از قول پیغمبر عمر رضی اللہ عنہ

(صفحہ ۲۴)

حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی فضیلتِ مراتب پر روشنی ڈالنے کے لیے اشعارِ ذیل کافی ہیں:

خواجۂ سنت کہ نورِ مطلق است
بل خداوندِ دو نور بر حق است
آنکہ غرقِ قدس فرقانِ آمدست
صدرِ دین عثمانِ عفان رضی اللہ عنہ آمدست
رونقے کان عرصۂ کونین یافت

از دلِ پُرنور ذوالنورین یافت
یوسفِ ثانی بہ قولِ مصطفیٰ ﷺ
بحرِ تقویٰ و حیا کانِ وفا

اہل سنت کا عقیدۂ صحیح نامکمل رہ جائے گا اگر حضرت شیرِ خدا کرم اللہ وجہہ کی درگاہ پر بھی عقیدت کے پھول نہ چڑھائے گئے۔

خواجۂ حق پیشوائے راستیں
کوہِ حلم و بحرِ علم و قطبِ دین
ساقیِ کوثر امامِ رہنمائے
ابن عمِ مصطفیٰ ﷺ شیرِ خدا
مرتضیٰ و مجتبیٰ زوجِ بتول رضی اللہ عنہا
خواجۂ معصوم دامادِ رسول ﷺ
مقتدائے دین بہ استحقاقِ اوست
مفتیِ مطلق علی الاطلاق اوست

(صفحہ ۲۵)

اس کے بعد نہایت تفصیل کے ساتھ کئی اوراق اس موضوع کی نذر کیے ہیں کہ جو لوگ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم سے تعصب رکھتے ہیں وہ خود جناب امیر رضی اللہ عنہ کی تعظیم کے بالکل مخالف بلکہ دشمن ہیں اور اس قول کی تائید میں آپ کی سیرتِ مبارک سے چند واقعات نقل کیے ہیں:

ہُدہُد (پیغمبر حق) جو تمام طیور کے جمع ہونے پر انھیں سلطان مطلق کے زیر انقیاد آنے کی دعوت دیتا ہے اور مرتبہ سلطانی کے لیے سیمرغ کا نام پیش کرتا ہے وہ اس سیمرغ کے اوصاف بھی بیان کرتا ہے ان اوصاف پر نظر کرنے سے سمجھ میں آسکے گا کہ سیمرغ سے

کس حقیقت عالیہ کا کنایہ ہے اور افسانہ کے پردہ میں کن معارف کی تعلیم ہو رہی ہے۔

(صفحہ ۲۵۔۳۲)

نامِ او سیمرغ سلطانِ طیور
او بہ ما نزدیک و مازو دور دور
صد ہزاراں پردہ دار و بیشتر
ہم ز نور و ہم ز ظلمت بیشتر
در دو عالم نیست کس را از ہرہَ
کو تواند باخت از وی ہبرہَ
دایما او بادشاہِ مطلق است
در کمالِ عزِ خود مستغرق است
نے بدو رہ نے شکیبائی از دست
صد ہزاراں خلق سوا وائی از دست
ہیچ دانائے کمالِ او ندید
ہیچ بینائے جمالِ او ندید

(صفحہ ۳۸)

''یعنی وہ سب کا بادشاہ ہم سے متصل ہے اور ہم اس سے بیگانہ ہیں کائنات میں کسی کی اتنی مجال نہیں کہ وہ اُس سے ہمسری کا دعویٰ کر سکے، وہ سب کا ازلی وابدی بادشاہ مطلق ہر وقت اپنے شانِ کمال میں غرق ہے اس غم میں ہزار ہا مخلوق پریشان ہے کہ نہ اس تک پہنچنے کی راہ ملتی ہے نہ تھک بیٹھا جاتا ہے نہ کوئی عقل آج تک اس کے کمال کو پہنچ سکی ہے، نہ کوئی آنکھ اُس کے جمال سے مشرف ہو سکی۔''

باقی ساری کتاب اسی حقیقت الحقایق، اسی ذات علی الاطلاق، اسی ہستی وراالوراء کی توصیف اس تک رسائی کی تدابیر اور منازلِ سفر کی تفصیل کی نذر ہے چند مضامین ومطالب بطور نمونہ درج کیے جاتے ہیں یہی انداز ساری کتاب۔

راہِ طلب وسلوک میں سب سے بڑا راہزن نفس کا شوقِ جاہ وترفع ہے انسان اپنے اوپر سخت سے سخت تکالیف اٹھالیتا ہے، بڑی بڑی ریاضتیں گوارا کرتا ہے شدید سے شدید مجاہدات اختیار کرتا ہے لیکن عموماً مقصود یہ ہوتا ہے کہ خلق میں عابد وزاہد مشہور ہو، لوگ عزت وتکریم سے پیش آئیں اور دنیا اس کے تقدیس کا چرچا کرے، حالانکہ اس راہ میں اس سے بڑھ کر اور کوئی مانع ہو نہیں سکتا۔

شبلی رحمۃ اللہ ایک مرتبہ اپنے مقام سے غائب ہو گئے لوگوں نے بڑی تلاش کی، بالآخر مخنثوں (ہیجڑوں) کے ایک گروہ کے درمیان ''چشم تر وخشک لب بیٹھے'' ہوئے ملے ایک شخص نے حیرت سے سوال کیا آپ رحمۃ اللہ نے جواب دیا کہ

> ''جس طرح یہ گروہ نہ عورت ہے نہ مرد، اسی طرح میں راہِ دین میں نہ مرد ہوں نہ عورت، بداعمالیوں کی کثرت سے میری زندگی خود میرے لیے باعثِ شرم ہے۔''

عارف کو اسی طرح اپنے تئیں ذلیل وخوار رکھنا چاہیے۔

ہمچو مردان ذلِ خود کن اختیار
کردہ بر استادگان عزت نثار
گر تو پیش آیی ز موی در نظر
خویشتن را از بتے سازی بتر
مدح و ذمت گر تفاوت میکند
ہت گرے باشد کہ او بت میکند

گر تو حق را بندۂ بتگر مباش
در تو مردے ایزدی آذر مباش
نیست تمکن درمیانِ خاص و عام
از مقامِ بندگی بر تر مقام
بندگی کن بیش ازیں دعویٰ مجوے
مردِ حق شو عزت از عزی مجوے
چوں ترا صد بت بود در زیرِ دلق
چوں نمائی خویش را صوفی بہ خلق
اے مخنث جامۂ مرداں مدار
خویش را ازیں پیش سرگرداں مدار ①

''ایک مرتبہ قاضی شہر کے پاس دو فریق اپنے مقدمے کا تصفیہ کرانے کی غرض سے آئے اور دونوں لباس صوفیانہ پہنے ہوئے تھے قاضی نے انھیں تنہائی میں لے جا کر بڑی غیرت دلائی کہ جسم پر یہ لباسِ ترک و تسلیم اور دل بدستور من و تو کے جھگڑوں میں مبتلا ہیں تو صفائی باطن کا دعویٰ نہیں رکھتا، محض فصلِ خصومات کرتا رہتا ہوں مگر مجھے ایسی حالت میں اس جامہ فقر سے شرم آتی ہے اس میدان میں آ کر جذباتِ خودی کو برقرار رکھنا اپنے دین و دنیا دونوں کو برباد کرنا ہے۔''

در خصومت آمدند و در جفا
دو مرقع پوش در دارالقضاء

① (صفحہ ۱۰۱)

قاضی ایشان را بہ کنج برد باز
گفت صوفی خوش نہ باشد جنگ باز
جامۂ تسلیم در بر کردہ اید
ایں خصومت از چہ در سر کردہ اید
گر شما ہستید اہلِ جنگ و کین
ایں لباس از تن بیند از ید بین
در شما ایں جامہ را اہل آمدید
در خصومت از سر جہل آمدید
منکہ قاضی ام نہ مرد معنوی
زیں مرقع شرم می دارم قوی
مرد را در فرقِ مقنع داشتن
بہ بود ز ینساں مرقع داشتن
گر بہ دعویٰ عزمِ ایں میدان کنی
سر دہی برباد ترکِ جاں کنی ①

شقاوتِ نفس کی کوئی حد نہیں، انسان کی نظر سے ہزار ہا درد انگیز و عبرت ناک واقعات گزرتے رہتے ہیں پھر بھی اسے عبرت یا نصیحت نہیں حاصل ہوتی۔

''ایک شخص نے ایک معمر گورکن سے سوال کیا کہ
''تیری عمر قبروں کے کھودنے میں گزری، یہ بتا کہ کیا کیا عجیب چیزیں نظر آئیں؟''

جواب ملا کہ

---

① صفحہ ۱۰۲

''سب سے عجیب شے یہ دیکھی کہ ستر سال گورکنی کرتے ہو گئے لیکن نفس سرکش ایک لمحہ کے لیے بھی مردہ نہ ہوا۔'' ؎

یافت مردے گورکن عمرے دراز
سائلش گفتے کہ چیزے گوی باز
تا چہ عمرے گور کندی در مغاک
چہ عجائب دیدۂ در زیر خاک
گفت ایں دیدم عجائب حسب حال
کیں سگِ نفسم ہمیں ہفتاد سال
گور کردن دید و یک ساعت نہ مرد
یک زماں فرمان و یک طاعت نبرد ①

سب سے زیادہ زور ترکِ علایق دنیوی پر دیا ہے حبِ دنیا حیاتِ ایمانی کے حق میں سمِ قاتل ہے۔ ؎

حبِ دنیا ذوقِ ایمانت بیرد
آرزویش پرتوِ جانت بیرد
چیست دنیا آشنائے حرص و آز
ماندہ از فرعون و از نمرود باز
کارِ دنیا چیست، بیکاری ہمہ
چیست بیکاری، گرفتاری ہمہ
ہست دنیا آتشِ افروختہ
ہر زماں خلقے دگر را سوختہ②

① صفحہ ۱۰۴ ② صفحہ ۱۰۸

''ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر استراحت فرما رہے تھے کہ سر کے نیچے ایک چھوٹی سی اینٹ کا تکیہ لگائے ہوئے تھے آنکھ کھلی تو کیا دیکھتے ہیں کہ ابلیس قریب ہی کھڑا ہے فرمایا

''ملعون! تیرا یہاں کیا کام؟''

اس نے جواب دیا کہ

''یہ اینٹ جس کا آپ علیہ السلام تکیہ لگائے ہوئے ہیں میری مِلک ہے، ساری دنیا میری ہی ملک کا نام ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اینٹ بھی اسی سامان دنیوی کا ایک جز ہے۔ آپ علیہ السلام نے اس کو اپنے کام میں لا کر ازخود مجھ سے توسل پیدا کیا ہے۔''

حضرت مسیح علیہ السلام نے یہ سنتے ہی اینٹ پھینک دی اور دوبارہ بغرض استراحت لیٹ گئے، اس وقت ابلیس بولا کہ

''اب بے شک آپ علیہ السلام آرام سے سویئے اب میرا یہاں ٹھہرنے کا کوئی کام نہیں رہا۔''①

''کوئی صاحب ایک مرتبہ بعد نماز دُعا میں مصروف تھے کہ

''اے کارسازِ عالم! میرے حال پر رحم کر۔''

ایک دیوانے نے اُن کی دُعا کو سن کر کہا کہ

''تم اور رحمت طلب کرتے ہو درآں حالیکہ تمہاری کیفیت یہ ہے کہ ہمہ وقت اپنی خود پرستیوں میں مست رہتے ہو، مکان ہے تو عالیشان، درودیوار ہیں تو زرنگار، کام کاج کے لیے غلاموں کی تعداد کثیر کے محتاج، کنیزوں کی ضرورت مستزاد، خودپرستی میں یہ انہاک واہتمام

① صفحہ ۱۰۸، ۱۰۹

اور اُس پر نزولِ رحمت کی توقع وطلب اگر واقعی رحمتِ باری کی تمنا ہے تو پہلے اپنے کو اُس کے غیر سے مستغنی و فارغ البال تو کرو۔ "وتبتل الیہ تبتیلاً۔" ؎

تو ز نازِ خود نہ گنجی در جہان
می خرامی از تکبر ہر زمان
منظرے سر بر فلک افراشتہ
چار دیوارش بزر بنگاشتہ
دہ غلام و دہ کنیزک کردہ راست
رحمت آنجاکے بود بر گوی راست
نیک بنگرتا تو با این جملہ کار
جائے رحمت داری آخر شرم دار
تانہ گردانی ز ملک و مال روے
یکنفس نہ نمایدت آں حال روے
روے اکنون می بہ گردان از ہمہ
تا شوی فارغ چون مردان از ہمہ①

مومن کو مایوس کبھی نہ ہونا چاہیے خواہ معاصی و ذنوب فوق الحد ہی ہوں، یاس صرف کافروں کا حصہ ہے، فسق و معصیت کی خواہ کتنی ہی کثرت ہو پھر بھی ارحم الراحمین کی رحمت اس سے وسیع تر ہے مومن کو چاہیے کہ ہر حال میں اُس کی رحمت پر بھروسہ رکھے اور اپنی طرف سے توبہ میں مشغول رہے، اس مفہوم کو مختلف مقامات پر ادا کیا ہے ایک جگہ فرماتے ہیں: ؎

تو یقیں می دان کہ صد عالم گناہ
از تف یک توبہ بر خیزد ز راہ

① صفحہ ۱۰۹

بحرِ احسان چون در آید موج زن
محو گرداند گناہِ مرد و زن ①

ایک اور موقع پر

گر نہ بودے مرد را توبہ قبول
کے بدے ہر گز برائے او نزول
گر گنہ کر دے درِ توبہ ست باز
تو بکن، کین در نہ خواہد شد فراز
گر بہ صدق آئی درین راہ یکدمے
صد فتوحت پیش آید ہر دمے ②

اصل شے خلوص وصدقِ نیت ہے"قال" جو کچھ ہو"حال" درست رہنا چاہیے یہاں تک کہ اگر بت پرستی میں بھی صفائے نیت ہے تو عالم الغیب والشہادۃ کی بارگاہ میں اس کی بھی قدر ہوگی اور بالآخر بت پرست کو راہِ ہدایت نصیب ہو کر رہے گی۔ شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"ایک شب جبرائیل علیہ السلام اپنے مقام سدرۃ المنتہیٰ میں تھے کہ حضرت قدس سے لبیک کی آواز سنائی دی، سمجھے کہ کوئی خاص مقبول بندہ اس وقت مصروفِ ذکر وعبادت ہے، اور اس کی پذیرائی ہو رہی ہے، دل میں شوق پیدا ہوا اس مقبولِ بارگاہ سے واقفیت پیدا کرنا چاہیے چشم زدن میں ہفت افلاک کا گشت لگا ڈالا، اس کا پتہ نہ چلا کرۂ ارض کی جانب رخ کیا اور صحرا و کوہستان کا چپہ چپہ چھان ڈالا، پھر بھی پتہ نہ

① صفحہ ۱۷۸

② صفحہ ۹۶

چلا، اپنے مقام پر واپس آئے دیکھا کہ حضرت قدس سے صدائے
لبیک برابر چلی آ رہی ہے تلاش از سرِ نو جاری کی اور ساری کائنات کا
ایک بار پھر جائزہ لیا اب کی بار پھر نا کام رہے، اس وقت عاجز آ کر
بارگاہِ اعلیٰ میں التماس کی، حکم ہوا کہ
''ملک روم میں جا کر تلاش کرو۔''
یہاں آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص ایک بت کے سامنے اس کی عبادت کر
رہا ہے جبرائیل علیہ السلام یہ ماجرا دیکھ کر حیران رہ گئے اور عرض کی کہ
''پروردگارِ عالم! یہ کیا راز ہے کہ ایک شخص صریحاً بت پرستی کر رہا ہے
اور اس پر یہ رحمت ہو رہی ہے؟''
جواب سنیے:

حق تعالیٰ گفت ہست او دل سیاہ
زاں نہ می داند غلط کردست راہ
از نیازش خوش ہمی آید مرا
زین نشان دادن ہمی یابد مرا
گرز عجلت رہ غلط کرد آن سقط
منکہ می دانم نہ کردم رہ غلط
ہم کنون راہش و ہم نا پیش گاہ
لطفِ او خواہد شد او را عذر خواہ①

''یعنی ہم تو اس کے خلوصِ قلب کو دیکھ رہے ہیں وہ اس وقت گمراہ
ہے تو کیا ہوا نیت تو اس کی خالص ہے اور اس کا انعام ہم ابھی یہ

---

① صفحہ ۹۷

دیتے ہیں کہ وہ راہِ ہدایت پہ آیا جاتا ہے۔"

چنانچہ ؎

این بگفت و راہِ جانش بر کشاد
در خدا گفتن زبانش بر کشاد

"معاً اس کا قلب روشن ہوگیا، چشم زدن میں مراتبِ کشودِ کار طے ہو گئے اور مشرک و بت پرست بات کہتے مُوَحِد و خدا پرست ہوگیا۔"

شیخ رحمۃ اللہ کے نظامِ عمل میں سب سے بلند و مقدم مرتبہ اتباعِ احکام الٰہی کا ہے۔

ایک مرغ (روح) کی زبان سے سوال ہوتا ہے کہ

"امتثالِ امر و فرمان بری کی بابت کیا ارشاد ہے؟ مجھے اختیار و انکار سے سروکار نہیں میں محض اتباعِ امر کرنا چاہتا ہوں۔" ؎

دیگرے پر سید ازو کہ رہنماے
چوں بود گر امر می آرم بجاے
من نہ دارم با قبول ورد کار
می کشم فرمانِ او در انتظار

ہدہد (پیغمبرِ حق) کی طرف سے جواب ملتا ہے کہ

"اس سے بلندتر کوئی بھی مرتبہ نہیں یہ مرتبہ تمام مراتب سے اعلیٰ و افضل ہے ایک ساعت کی طاعت جو بہ امتثالِ امر ہو ساری عمر کی طاعت گزاریوں اور مجاہدوں سے بہتر ہے جو اپنی مرضی و رائے کے مطابق ہوں۔" ؎

گفت نیکو کر دی اے مرغک سوال
مرد را زیں بیشتر نبود کمال

کے بری جان گر تو آنجا جاں بری
جاں بری تو گر بہ جاں فرماں بری
ہر کہ فرماں برد از خذلاں برست
از ہمہ دشوار ہا آساں برست
طاعتے با مر گریک ساعت است
بہتر از بے امر عمر طاعت ست①

انسان بندہ ہے، اس کا کمال یہ ہے کہ بندگی میں کمال پیدا کر دکھائے۔

بندگی ایں باشد و دیگر ہوس
بندگی افگندگی اے ہیچ کس
تو خدائی می کنی نے بندگی
کے شود ممکن ترا افگندگی

مقبولیت و برگزیدگی کا ادعا آسان ہے لیکن اس کا معیار یہی کمالِ عبودیت و افگندگی ہے۔

بندہ آں نبود کہ ازوئے گزاف
میزند در بندگی پیوستہ لاف
بندۂ وقت امتحان آید پدید
امتحان کن تا نشان آید پدید

---

① صفحہ ۱۳۹

باب ۸

لَوَائِح

(مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ)

ملا جامی رحمۃ اللہ کا زمانہ وفات نویں صدی ہجری کے اختتام کا ہے۔ اس لیے انھیں دورِ متوسطین کی آخری یادگار کہہ سکتے ہیں۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ تصوف ایک مستقل نظام کی حیثیت اختیار کر چکا تھا اور اسلام کی سادہ تعلیم میں فلسفہ و مذاہبِ غیر کی آمیزش اچھی طرح ہو چکی تھی، لوائح ان کی نہایت مشہور، مقبول و مستند تصنیف ہے، یہ مثل قدما کی تصانیف کے فنِ سلوک کے علم و عمل پر کوئی جامع و مبسوط رسالہ نہیں بلکہ فلسفۂ تصوف سے متعلق چند نکات اور اشارات کا مجموعہ ہے تاہم اس فلسفیانہ رسالہ پر بھی نظر کرنے سے معلوم ہوگا کہ مسلکِ توحید کی اہمیت ملا جامی رحمۃ اللہ کی نگاہ میں تمام فروعی مسائل سے کس قدر بڑھی ہوئی تھی وحدتِ وجود وغیرہ کے مباحث اگرچہ پوری قوت کے ساتھ پھیل چکے تھے تاہم یہ مسائل شریعتِ اسلام کے محکوم تھے، حاکم نہ تھے اور آج کل کے رسوم کا تو ان کے ہاں بھی پتا نہیں۔

(۱) مصنف

اسم گرامی، عام تذکروں کی روایت کے مطابق نورالدین عبدالرحمٰن ہے، صاحبِ

سفینۃ الاولیاء کا بیان ہے کہ اصل نام عمادالدین تھا۔ اسم مشہور نورالدین ہو گیا، والد کا نام ایک روایت کے بموجب احمد بن محمد دشتی① اور دوسری کے مطابق نظام الدین احمد دشتی تھا②۔ دشت اصفہان کے ایک محلّہ کا نام ہے۔

مولد قصبہ جام ہے کچھ اس مناسبت سے اور کچھ اس لحاظ سے کہ شیخ الاسلام احمد جام رحمہ اللہ کی عقیدت کا جام نوش فرمایا اپنا تخلّص جامؔی قرار دیا۔ چناں چہ خود فرماتے ہیں:

مولدم جام و رشحہ قلمم
جرعۂ جام شیخ اسلامی است
لاجرم در جریدۂ اشعار
بدو معنی تخلصم جامؔی است

تخلّص اس قدر مقبول ہوا کہ لوگ اصل نام کو بھول گئے عام زبانوں پر صرف جامی رحمہ اللہ یا ملا جامی رحمہ اللہ رہ گیا۔

تاریخ ولادت بالاتفاق ۲۳ شعبان ۸۱۷ھ (مطابق ۷ نومبر ۱۴۱۴ء) ہے اور تاریخِ وفات بروایت قوی ۱۸ محرم الحرام ۸۹۸ھ (۹ نومبر ۱۴۹۲ء) ہے③ ایک ضعیف روایت ۹۰۱ھ کے متعلق بھی ہے۔④ وفات شہر ہرات میں ہوئی۔

بیعت سلسلۂ نقشبندیہ میں مولانا سعدالدین کاشغری رحمہ اللہ سے تھی، زمانۂ طفولیت میں جب پورے پانچ کا بھی سن نہ تھا خواجہ محمد پارسا رحمہ اللہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ طریقِ روحانیت کی تخم ریزی اسی وقت سے قلب میں ہو گئی۔ پینسٹھ سال کی عمر میں جب

---

① سفینۃ الاولیاء صفحہ ۸۲

② مفتاح التواریخ مرتبہ مسٹر بیل صفحہ ۱۳۴ (نولکشور لکھنؤ)

③ سفینۃ الاولیاء وغیرہ

④ مفتاح التواریخ

نفحات الانس کی تالیف میں مشغول ہوئے ہیں اس واقعہ کا تذکرہ اس انداز سے کرتے ہیں کہ قلم سے بجائے سیاہی کے عقیدت کے قطرات ٹپکتے ہیں:

''جمادی الآخر ۸۲۲ھ کے آغاز یا جمادی الاوّل کے آخر میں خواجہ موصوف رحمۃ اللہ جام سے گزر رہے تھے خلقت انبوہ در انبوہ نذرِ اخلاص وعقیدت پیش کرنے حاضرِ خدمت ہو رہی تھی۔ مولانا جامی رحمۃ اللہ کے والد نے اس خرد سال بچہ کو خواجہ کی پالکی میں لا کر بٹھا دیا، خواجہ نے التفاتِ خاص فرمایا اور ایک سیر مصری عنایت کی۔''

اس واقعہ کو قلم بند کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

''امروز آں شصت سال است کہ ہنوز صفائی طلعت منور ایشان در دلِ من و ہمانا کہ رابطۂ اخلاص و اعتقاد و واردات و محبتے کہ ایں فقیر را نسبت بہ خاندانِ خواجگان قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم واقع است ببرکتِ نظر ایشان بودہ باشد، و امید میدارم کہ بہ یمنِ ہمین رابطہ در زمرۂ محبان و مخلصانِ ایشان محشور گردم۔'' ①

مگر سب سے زیادہ اختصاص و ارتباط شاید خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ کے ساتھ تھا جن کا تذکرہ نفحات اور اپنی دوسری تصانیف میں کمالِ عقیدت و تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔

علوم ظاہری کی تعلیم ہرات میں پائی، اساتذہ میں ملا جنید، خواجہ علی سمرقندی و قاضی روم سمرقندی رحمہم اللہ کے اسما قابلِ ذکر ہیں طالب علمی کے زمانہ میں جس غیر معمولی ذکاوت، قوتِ حافظہ، وجودتِ ذہن کا اظہار ہوتا تھا اس کے حیرت انگیز واقعات سے تذکرہ لبریز ہیں، مزاج میں ظرافت وشوخی بھی بہت تھی جس کا ثبوت بہارستان کے سدابہار صفحات میں ملتا ہے بہ قول صاحب سفینۃ الاولیاء:

① نفحات الانس صفحہ ۴۴۹-۴۵۰، (مطبوعہ کلکتہ)

''حضرت مولانا رافہم وطبعے کہ بود بالاتر ازآں نباشد و بسیار خوش خلق
وخوش تکلم وشگفتہ بودند، ومطایبہاے لطیف میفر مودند۔''

تصانیف کی تعداد ۴۴ ہے جو لفظ جام کے ہمعدد ہے زیادہ مشہور تصانیف:
یوسف و زلیخا، تحفۃ الاحرار، سبحۃ الابرار، نفحات الانس، شواہد النبوۃ، لوائح،
بہارستان وکلیات ہیں۔

مرید سلسلہ نقشبندیہ میں تھے تاہم طبیعت پر ذوق ووجد غالب تھا۔
''ہمیشہ در ذوق ووجدمی بودہ اند''

(سفینۃ الاولیاء)

غالبًا اسی لیے سماع سے بھی محترز نہ تھے نظم کی ہر صنف پر یکساں قادر تھے۔ مثنوی،
غزل، قصیدہ، مدح، تشبیب، معرفت، توحید، ہر صنف اور ہر مضمون کے مالک تھے، سب
سے بڑھا چڑھا رنگ نعت کا تھا فارسی نعت گوئی میں آج تک ان کا جواب نہ پیدا ہوسکا۔

مرتبۂ کمال کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ خود ان کے مرشد فرمایا کرتے تھے کہ
''شہباز ہمارے چُنگل میں آکر پھنسا ہے۔''①

خواجہ عبیداللہ احرار رحمہ اللہ ازراہِ تعظیم اپنے خطوط کو لفظ ''عرض داشت'' سے تعبیر
کرتے تھے اور اکثر فرماتے تھے کہ

''خراساں میں آفتاب موجود ہے لوگ اسے چھوڑ کر ماوراءالنہر کے
چراغ (یعنی خود خواجہ موصوف رحمہ اللہ) کے پاس کیوں آتے ہیں۔''

گویا ملا جامی رحمہ اللہ اور اپنے درمیان آفتاب اور چراغ کی نسبت قرار دیتے
تھے۔

اخفائے احوال وکرامات میں خاص اہتمام تھا جہاں تک بس چلتا کسی پر اپنے

① سفینۃ الاولیاء

مرتبہ کمال کو نہ ظاہر ہونے دیتے۔① بایں ہمہ مرجعِ خلایق تھے۔

''مقبولِ عالم ومقتدائے ماوراالنہر وخراسان و پیشوای زمان بوده اندو سلطان حسن بایقرار اکمالِ عقیدت و نیاز مندی بخدمتِ ایشان بود۔''

(سفینۃ الاولیاء)

سلطان وامرا کی عقیدت مندیوں کے مرکز تھے۔

''درعہدِ سلطان ابوسعید بہ خدا شناسی و خداپرستی شہرت یافتہ مقبولِ خاص وعام گشت ودرعہدِ سلطان حسین بایقرا بیشتر قبول یافت، وامیر علی شیر غاشیہ انقیادِ او بردوشِ جان میں داشت۔②''

خانہ کعبہ کی زیارت کو گئے تو آمدورفت کے دونوں مواقع پر قبول عام نے قدم قدم پر استقبال کیا ایک مرتبہ دمشق میں مقیم تھے کہ سلطانِ روم کا قاصد پانچ ہزار اشرفیوں کی نذر کے ساتھ یہ درخواست لے کر پہنچا کہ قسطنطنیہ بھی شرفِ قدوم سے مشرف ہوجائے۔ مولانا یہ خبر قاصد کے ورود سے پیشتر پاکر تبریز چل کھڑے ہوئے تھے وہاں حسن بیگ، حاکمِ کردستان کی نیازمندیاں زنجیرپا ہونے لگیں، بہ دشواری تمام اجازت لے کر خراسان پہنچے یہاں پہنچے تو یہاں بھی نذرانوں کے انبار نے خیر مقدم کیا۔

(۲) تصنیف

لائحہ کے لفظی معنی ''شعاع درخشاں'' کے ہیں (مجازاً تختۂ عمل باروزنامچہ) لوائح

① ایضاً

② مفتاح التواریخ

اس کی جمع ہے لوائح جامی چند لائحوں کا مجموعہ ہے جن کی کل تعداد ۳۴① ہے۔ زمانہ تالیف وہ ہے جب یونانی فلسفہ کو مسلمانوں میں رائج ہوئے کئی سو سال ہو چکے ہیں۔ اشراقیت، مشائیت، وحدت الوجود، تناسخ ارواح، عقلِ اول، ہیولیٰ وغیرہ کے عقاید و مسائل حکمائے یونان، مصر، ہندوستان و ایران کے اثر سے ممالک اسلامیہ میں گھر گھر پھیل چکے ہیں، خود مسلمانوں میں فارابی، ابن سینا، ابن رشد جیسے بیسیوں حکما و فلاسفہ پیدا ہو چکے ہیں اور ان کی تعلیمات سے مسلمانوں کا بچہ بچہ واقف ہو چکا ہے۔

اسلامی تصوف بھی اب خالص اسلامی تصوف نہیں رہا، حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ و حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کا تصوف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تقلید تھی، ان کے عقاید و اعمال ابوبکر و علی رضی اللہ عنہما کے عقاید و اعمال تھے۔ اب شیخ محی الدین بن عربی رحمہ اللہ اور ان کے تلامذہ کے اثر سے تصوف بھی ایک فلسفہ بن چکا ہے اور اکابرِ طریقت کی خانقاہیں ایسے عقاید و اعمال کی مسکن بن چکی ہیں جن سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس زندگیاں یکسر نا آشنا تھیں۔

ملا جامی رحمہ اللہ اسی فضا میں آنکھیں کھولتے ہیں اسی ہوا میں سانس لیتے ہیں اور اسی غذا سے نشوونما حاصل کرتے ہیں اس کے بعد اپنے قلم کو گردش دیتے ہیں وحدت الوجود کے فلسفہ میں ڈوبے ہوئے شیخ ابن عربی کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں بہ این ہمہ جادۂ شریعت سے ایک انچ قدم باہر نہیں رکھتے اور مسلکِ توحید پر اس شد و مد سے قائم ہیں کہ اثنائے سفر

① یہ تعداد نسخہ مطبوعہ نولکشور پریس کے مطابق درج کی گئی ہے، لندن میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے زیر اہتمام جو نسخہ (ایک قدیم قلمی نسخہ کی مطابقت میں) شائع ہوا ہے اس میں کل تعداد ۳۰ ہے، راقمِ سطور کے نزدیک لندنی نسخہ میں لایحوں پر نمبر لگانے اور ان کے شمار کرنے میں انگریزی مرتب و مترجم سے سہو ہوا ہے اصل تعداد لائحوں کی اس نسخہ میں ۳۲ ہوتی ہے دو کا فرق بھی رہ جاتا ہے بعض اور اختلافات بھی لکھنوی اور لندنی نسخوں کے درمیان ہیں میں نے عموماً اول الذکر کا تتبع کیا ہے۔

میں اس سے ایک ذرہ نہیں ہٹتے، توحید باری اور اس کے مسائل متعلقہ کو مختلف پیرایوں میں اور مختلف تفصیلات کے ذریعہ سے ادا کرتے ہیں اندازِ بیان موضوع کے انتہا سے زاید دقیق و نازک ہونے کے باوجود اس درجہ موثر ہے کہ پڑھنے والے پر پڑھتے پڑھتے ایک ہنگامی کیفیت وفنائیت کی طاری ہی ہو جاتی ہے آغازِ کلام میں زبانِ قلم یوں زمزمہ سنجِ حمد ہوتی ہے:

''خداوند! سپاسِ تو بزبانِ نمی آریم، وستایش و برتو نمی شماریم، ہر چہ از صحائفِ کائنات از جنسِ اثنیہ ومحامد است ہمہ بہ جنابِ عظمت و کبریائی تو عاید است، از دست وزبانِ ماچہ آید کہ سپاس وستایش ترا شاید، تو چنائی کہ خود گفتہ و گوہر ثنائے تو آں ست کہ خود سفتہ۔''

آنجا کہ کمالِ کبریائی تو بود
عالم نے از بحرِ عطائے تو بود
مارا چہ حد حمد و ثنائے تو بود
خود حمد و ثنائے تو سزائے تو بود

مناجات وطلبِ توفیق میں متعدد رباعیاں کہی ہیں:

۱۔ یارب دلِ پاک و جاں آگاہم دہ — آہِ شب و گریۂ سحر گاہم دہ
درراہِ خود اول از خودم بے خود کن — آنگہ بے خود ز خود بخود راہم دہ

۲۔ یارب ہمہ خلق را بہ من بدخو کن — و ز جملہ جہانیان مرا یکسو کن
روئے دل من صرف کن از ہر جہتے — وز عشق خودم یکجہت و یکرو کن

تمہید ومطالب واغراضِ تالیف کے ذیل میں فرماتے ہیں:

''ایں رسالہ ایست مسمٰی بہ لوائح در بیانِ معارف ومعانی کہ بر الواحِ اسرار و ارواح اربابِ عرفان واصحابِ ذوق ووجدان لایحہ گشتہ بہ عبارات لایقہ واشارات رایقہ

متوقع کہ وجود متصدے ایں بیان را درمیان نہ بینند و بر بساطِ اعراض وسماط اعتراض نہ نشینند
چہ اورا درین گفتگو نصیبے جز منصب ترجمانی نے وہ بہرۂ غیر از شیوۂ سخن رانی نے۔

من ہیچم و کم ز ہیچ ہم بسیارے
از ہیچ و کم از ہیچ نیاید کارے
ہر سر کہ ز اسرار حقیقت گویم
زانم نہ بود بہرہ بجز گفتارے

''یہ رسالہ مسمّٰی بہ لوائح ہے اس میں ان معانی و معارف کا بیان ہے جو ارباب عرفان اور اصحابِ ذوق و وجدان کے قلوب و ارواح پر روشن ہوئے اور جنھیں یہاں الفاظ مناسب و اشاراتِ دل کش کے ساتھ قلمبند کیا گیا۔ امید ہے کہ پڑھنے والے ان بیانات کے شارح (یعنی خود حضرت جامی رحمۃ اللہ) کی شخصیت کا خیال درمیان میں نہ لائیں گے اور اعراض و نکتہ چینی سے باز رہیں گے اس لیے کہ مصنف کا منصب اس کتاب میں محض ترجمانی کا ہے اس کی حیثیت ایک آلہ سے زائد مطلق نہیں۔''

''میں ہیچ بلکہ ہیچ سے بھی کم تر ہوں، ایسے ہیچ اور کمتر از ہیچ سے ہو ہی کیا سکتا ہے یہ جو اسرارِ حقیقت میں بیان کر رہا ہوں ان کا صرف ناقل و ترجمان ہی ہوں اس سے زائد کچھ نہیں۔''

ا۔ لائحۂ اول

اس بیان میں ہے کہ عالم و مافی العالم سے قطع نظر کر کے بہ کمال یکسوئی خدا ہی کی جانب متوجہ رہنا چاہیے۔

''ما جعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفہ، حضرت بیچون کہ ترا نعمت ہستی
دادہ است در درون تو جز یک دل نہادہ است تا در محبتِ او یک
روباشی و یک دل واز غیر او معرض و بر و مقبل نہ آنکہ دل را بصد پارہ کنی و
ہر پارہ در پے مقصدے آوارہ''۔

اے آنکہ بہ قبلۂ بتاں روست ترا
بر مغز چرا حجاب شد پوست ترا
دل در پے این و آن نہ نیکوست ترا
یک دل داری بس ست یک دوست ترا

۲۔ لائحۂ دوم

اس لائحہ میں اس حقیقت کا بیان ہے کہ مخلوقات سے دل لگانا ہی طبیعت میں پراگندگی و انتشار کا باعث ہوتا ہے اگر صرف خالقِ واحد و یکتا سے لو لگی رہے تو جمعیت و یکسوئی خاطر تمام تر میسر رہے۔

''تفرقہ عبارت از آں ست کہ دل را بواسطۂ تعلق با مور متعدد ہ
پراگندہ سازی و جمعیت آنکہ از ہمہ بہ مشاہدۂ واحد پردازی جمعے گمان
بردند کہ جمعیت در جمع اسباب است در تفرقہ ابد ماندند، و فرقۂ بہ یقین
دانستند کہ جمع اسباب از اسباب تفرقہ ست از ہمہ افشاندند''۔

اے سالکِ رہِ سخن ز ہر باب مگوے
جز راہِ اصولِ رب ارباب مپوے
چوں علتِ تفرقہ است اسبابِ جہاں
جمعیتِ دل ز جمعِ اسباب مجوے

۳۔ لائحۂ سوم

لائحۂ سوم کی تعلیم یہ ہے کہ خدا ہر جگہ موجود ہے اور ظاہر و باطن ہر حال میں نگران۔

''حضرت حق سبحانہ تعالیٰ ہمہ جا حاضر است و در ہمہ حال بظاہر و باطن
حاضر و ناظر زہے خسارت کہ تو دیدہ از لقاے او برداشتہ سوے دیگری
نگری و طریق رضاے او بگذاشتہ راہ دیگری سپری۔''

با یار بہ گلزار شدم رہ گذری
بر گل نظرے فگندم از بے خبری
دل دار بہ طعنہ گفت شرمت بادا
رخسارِ من اینجا ست تو در گل نگری

''پس کیسے افسوس کی بات ہے تو اس کے دیدار کو چھوڑ کر دوسروں کی
جانب نظر رکھتا ہے اور اس کی خوش نودی کے راستہ کو چھوڑ کر دوسرے
کی راہ قطع کر رہا ہے۔

''میں (عاشق) ایک دن اپنے معشوق کے ساتھ سیر گلشن کو گیا اور
وہاں پہنچ کر اپنی حماقت سے پھولوں کو دیکھنے لگا، اس نے چڑ کر مجھ
سے کہا کہ ''تجھے شرم نہیں آتی کہ میں یہاں ہوں اور میرے
رخساروں کو چھوڑ کر تو پھول پر نگاہ ڈال رہا ہے۔''

۴۔ لائحۂ چہارم

لائحۂ چہارم کا خلاصہ یہ ہے کہ ماسوائے حق جو کچھ ہے زوال پذیر و فانی ہے۔ باقی
صرف ذاتِ حق ہے۔ اس کے سوا ساری امیدیں اور آرزوئیں لغو و موہوم ہیں۔

۵۔ لائحۂ پنجم

کائنات کی ساری جلوہ آرائیاں اسی جمیل علی الاطلاق کا پرتو ہیں۔ دنیا میں اگر کوئی دانا ہے تو اس پر اسی کی دانائی کا پرتو ہے، اگر کوئی بینا ہے تو اسی کے عکس سے یہ سارے شیون و مظاہر اسی کے ہیں جس نے اوجِ کلیت و اطلاق سے تنزل کر کے اپنی تجلیات کو جزئیت و تقید میں رونما کیا ہے۔

۶۔ لائحۂ ششم

لائحۂ ششم میں انسان کی حقیقت بیان کی ہے کہ اگر چہ

''آدمی اگر چہ بہ سببِ جسمانیت در غایتِ کثافت است اما بہ حسب روحانیت در نہایت لطافت بہر چہ روے آرد حکمِ آن گیرد و بہر چہ توجہ کند رنگِ آن پذیرد پس می باید کہ بہ کوشی و خود را از نظر خود بہ پوشی و بر ذاتی اقبال کنی بہ حقیقی اشتغال نمای کہ درجات موجودات ہمہ مجالی جمال اویند و مراتبِ کائنات مرای کمال او دریں نسبت چنداں مداومت نمای کہ با جان تو در آمیزد و ہستی تو از نظرِ تو برخیزد اگر بہ خود بہ اُو آوردہ باشی، و چون از خود تعبیر کنی، تعبیر از وے کردہ باشی مقید مطلق شود و انا الحق ہو الحق۔''

''وہ بہ لحاظ جسمانیت نہایت کثافت میں ہے لیکن بہ اعتبار روحانیت انتہائے لطافت میں بھی ہے اب وہ جس طرف توجہ اختیار کرے وہی رنگ اس پر چھا جائے گا.......... پس (اے طالب) تجھے لازم ہے کہ اپنے تئیں خود اپنے سے مخفی کر اور جو ہستی

ذاتی و حقیقی ہے اسی کی جانب متوجہ و مشغول ہو جا، اس لیے کہ
موجودات کی جس قدر بھی اقسام ہیں وہ سب اسی کے جمال کی
تجلیات ہیں اور کائنات کے جس قدر بھی اجزا ہیں سب اسی کے
کمال کا آئینہ اور اپنی اِس نسبت کو مشق و ریاضت سے اس درجہ تک
پہنچا دے کہ وہ ہستی حقیقی تجھ میں مدغم ہو جائے اور خود تیری ہستی
تیری نظروں سے غائب ہو جائے، یہاں تک کہ اگر تو اپنا خیال
کرے تو عین اسی کا خیال کرے اگر تو اپنا ذکر کرے تو عین اسی کا
ذکر کرے اور اسی طرح مقید مطلق ہو جائے اور انا الحق ہوالحق کے
حکم میں داخل ہو جائے۔''

۷۔ لائحہ ہفتم

یہاں سے عملی طریقوں کی تعلیم شروع ہوتی ہے، اس لائحہ میں یہ تعلیم ہے کہ ذکرِ الٰہی و نسبتِ حق سے کوئی حالت اور وقت کا کوئی لمحہ خالی نہ گزرنا چاہیے۔

''ورزش ایں نسبت شریفہ می باید کرد بروجہے کہ ہیچ وقتے از اوقات و
ہیچ حالتے از حالات از آں نسبت خالی نباشی، چہ در آمدن، و چہ در
خوردن و خفتن و چہ در شنیدن و گفتن و بالجملہ در جمیعِ حرکات و سکنات
حاضر وقت می باید بود تا بہ بطالت نہ گزرد۔''

۸۔ لائحہ ہشتم

جس طرح اوقات کو تمام تر ذکرِ الٰہی میں مشغول رکھنا چاہیے اسی طرح کوشش بلیغ کر کے قلب کو بھی تعلقات دنیوی سے منقطع کرتے رہنا چاہیے۔

۹۔ لائحۂ نہم

فنااور فنائے فنا کی تعریف بیان کرتے ہیں:

''فنا عبارت از آں ست کہ بہ واسطۂ استیلائے ظہور ہستی حق بر باطن بماسوائے او شعور نماند و فنائے فنا آں کہ بہ آں بے شعوری ہم شعور نماند و پوشیدہ نباشد کہ فنائے فنا در فنا مندرج است زیرا کہ صاحب فنا را اگر بہ فنائے خود شعور باشد صاحب فنا نباشد، بہ جہت آنکہ صفت و موصوف آں از قبیل ماسوائے حق اند سبحانہ وتعالیٰ بس شعور باآں منافی فنا باشد۔''

۱۰۔ لائحۂ دہم

توحید کی تعریف بیان کی ہے کہ وہ ماسوائے حق سے دل کے ہر قسم اور ہر نوعیت کے

''توحید یگانہ گردانیدن دل ست یعنی تخلیص و تجرید از تعلق بماسوائے حق ہم لذت طلب واردات دہم از جہتِ علم ومعرفت۔''

''ترکِ تعلق وقطعِ وابستگی کا نام ہے جو طلب، واردات علم ومعرفت سب پر شامل ہے۔''

۱۱۔ لائحۂ یازدھم

جس وقت تک انسان پر خواہشاتِ نفس غالب ہیں، اس نسبت کو ہر وقت ملحوظ رکھنا محال ہے، جوں جوں علایق کی بیڑیاں اس کے پیر سے کٹتی جائیں گی مجاہدات و ریاضات میں لطف آنے لگے گا۔

۱۲۔ لائحۂ دوازدہم

جوں جوں مجاہدات میں لطف بڑھتا جائے گا انسان اس نسبت کی تقویت و تربیت میں قدرتاً زیادہ مصروف ہوتا جائے گا۔

۱۳۔ لائحۂ سیزدہم

حقیقتِ حق تعالیٰ میں ہے:

''حقیقتِ حق سبحانہ وتعالیٰ جز ہستی نیست وہستی اور انحطاط وپستی نے مقدس است از سمتِ تغیر وتبدل ومبرّا است از وصمت تکثر وتحویل، از ہمہ نشانہا بے نشان نہ در علم گنجد ونہ در عیاں۔''

۱۴۔ لائحۂ چہاردہم

لفظ وجود کے معانی بیان کیے ہیں، ایک تحقق وحصول اور یہ اصطلاح حکما ومتکلمین کی ہے دوسرے حقیقتِ قائم بالذات، یہ اصطلاحِ اہل عرفاں وصوفیہ اور اسی معنی میں یہ لفظ ذاتِ حق کے مرادف ہے۔

۱۵۔ لائحۂ پانزدہم

صفات ایک معنی میں غیر ذات ہیں اور ایک معنی میں عین ذات:

''صفات غیر ذات اند من حیث مایفہمہ العقول وعین ذات اند من حیث التحقیق والحصول، مثلاً عالمِ ذات ست بہ اعتبار صفتِ علم وقادر بہ اعتبارِ قدرت ومرید بہ اعتبارِ ارادت وشک نیست کہ اینہا چناں کہ

بہ حسب مفہوم با یکدیگر متغایر اند مر ذات را نیز متغایر اند اما بحسب
تحقق و ہستی عین ذات اند کہ آنجا وجودات متعدد نیست بلکہ
وجودیست واحد۔"

۱۶۔ لائحۂ شانزدہم

ذات من حیث ذات تمام اسماء و صفات و اضافات سے مُعَرّیٰ ہے لیکن اپنے ظہور وشہود میں ان سب سے متصف ہوتی جاتی ہے اور جوں جوں تجلیات میں کثرت پیدا ہوتی جاتی ہے یہ اتصاف بھی بڑھتا جاتا ہے۔

۱۷۔ لائحۂ ہفدہم

یہ لائحہ بہت مفصل ہے اس میں مراتبِ تعینات اور ذات واحد کے غنائے مطلق پر دقیق پیرایہ میں گفتگو کی ہے خاتمہ کے چند اشعار سننے کے قابل ہیں:

۱۔ دامان غنائے عشق پاک آمد پاک — ز آلودگی وجود ما مشتی خاک
چوں جلوہ گر و نظارہ گر جملہ خود ست — گر ما و تو درمیاں نباشیم چہ باک

۲۔ واجب ز وجود نیک و بد مستغنی ست — واحد ز مراتبِ عدد مستغنی ست
در خود ہمہ را چو جاوداں می بیند — از دیدنِ شاں بروں ز خود مستغنی ست

۱۸۔ لائحۂ ہیزدہم

ہر نوع حیوانی کے افراد کے تشخصات و تعینات کو اگر رفع کر کے دیکھا جائے تو تمام افراد کے لیے اسم مشترک اس نوع حیوانی کا نکلے گا، انواع حیوانی کے ممیزات کو اگر دور کیا جائے تو سب کے لیے اسم مشترک حیوان نکلے گا، حیوانات و جسم نامی کے دوسرے انواع

کے ممیزات کو دور کر دیا جائے تو جسم نامی باقی رہ جائے گا جسم نامی و دیگر انواعِ جسم کے ممیزات کو الگ کر دیا جائے تو حقیقتِ جسم نامی باقی رہ جائے گی جسم نامی و دیگر انواع جوہر کے ممیزات کو اگر رفع کر دیا جائے، تو جوہر باقی رہے گا جوہر و اعراض کے ممیزات کو اگر حذف کر دیا جائے، تو اسم مشترک ممکن نکلے گا، ممکن و واجب کے ممیزات کو بھی اگر حذف کر دیا جائے، تو سب سے آخر میں وجود مطلق باقی رہ جائے گا اور یہی تمام ذوات و صفات کا منتہیٰ ہے:

تا چند حدیثِ جسم و العباد و جہات
تا کے سخن معدن و حیوان و بنات
یک ذات فقط بود محقق نہ ذوات
ایں کثرت وہمی ز شیون ست و صفات

۱۹۔ لائحہ نوزدہم

یہ شیون و تجلیات جو ذاتِ واحد میں مندرج ہیں اُن کی وہ صورت نہیں ہوتی جو کل میں جز کے ظرف میں مظروف کے اندراج کی ہوتی ہے بلکہ وہ صورت ہوتی ہے جو موصوف و ملزوم میں اندراجِ اوصاف و لوازم کی ہوتی ہے، مثلاً ایک کے ہندسے میں اس کے نصف و ثلث و ربع و خمس وغیرہ کسرات الیٰ غیر النہایۃ کا شمار و اندراج ہے۔

۲۰۔ لائحہ بستم

وجود مطلق کی حقیقت بجائے خود بدستور اور غیر متغیر رہتی ہے خواہ وہ اپنے ظہور کے لیے جو قالب اور شیون و اعتبارات کے جو مظاہر اختیار کرے، نورِ آفتاب سے پاک و ناپاک دونوں منور ہوتے ہیں، آفتاب خود پاک یا ناپاک کچھ بھی نہیں ہوتا۔

۲۱۔ لائحۂ بست ویکم

عام قاعدہ یہ ہے کہ مطلق بغیر مقید کے نہیں رہتا اور مقید مطلق کے بغیر نہیں رہتا۔

''مطلق بے مقید نہ باشد و مقید بے مطلق صورت نہ بندد، اما مقید محتاج است بہ مطلق و مطلق مستغنی است از مقید پس استلزام از طرفین ست و احتیاج از یک طرف۔''

''بغیر مطلق کے صورت نہیں اختیار کرتا لیکن مقید محتاج ہوتا ہے مطلق کا اور مطلق مستغنی ہے مقید سے پس لزوم و استلزام تو دونوں جانب سے ہے لیکن احتیاج صرف مقید کی جانب سے ہے۔''

۲۲۔ لائحۂ بست وسوم

اس کا ماحصل اس رباعی سے ظاہر ہوگا۔

ہم سایہ و ہمنشین و ہمرہ ہمہ اوست
در دلق گدا و اطلس شہ ہمہ اوست
در انجمنِ فرق و نہاں خانۂ جمع
باللہ ہمہ اوست ثم باللہ ہمہ اوست

لائحۂ بست وسوم

لیکن اگرچہ حقیقتِ وجود تمام مظاہر میں مشترک ہے پھر بھی مراتب شیون متفاوت ہیں، بعضہا فوق بعض اور ہر مرتبہ کے لیے الگ الگ اسما و صفات و اعتبارات مخصوصہ ہیں، مرتبۂ الوہیت و ربوبیت کے اعتبارات اور ہیں مرتبۂ عبودیت و خلقیت کے

اورسب کومتحد کردینا عین کفروزندقہ ہے۔ ؎

اے بردہ گماں کہ صاحب تحقیقی
و اندر صفتِ صدق و یقیں صدیقی
ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد
گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی

۲۴۔ لائحۂ بست وچہارم

موجود حقیقی جس کے مراتب بے شمار ہیں جب اس پر انتہائی بے قیدی اور لاتعینی کے لحاظ سے نظر کی جائے تو اسے نہ کوئی عقل ادراک کرسکتی ہے نہ کسی کشف کی رسائی اس تک ہوسکتی ہے علم و عقل، کشف و عرفان سب اِس مرتبۂ آخری کے ادراک سے عاجز ہیں: ؎

ہر چند کہ جاں عارف آگاہ بود
کے در حرمِ قدس تواش راہ بود
دست ہمہ اہل کشف و ارباب شہود
از دامنِ ادراک تو کو تاہ بود

۲۵۔ لائحۂ بست وپنجم

حقیقت الحقایق (ذات الٰہی) فی حد ذاتہ واحد ہے جس میں شمار و عدد کا گزر نہیں، البتہ بہ لحاظ تجلیات کثیر و متعدد عین وحدت کے لحاظ سے اسے حق سے موسوم کرتے ہیں اور بہ لحاظ ظہورِ تعدد وخلق ہے ظہور و بطون اولیت وآخریت سب اسی کے نسب واعتبارات ہیں اور یہی معنی ہیں اس آیۂ کریمہ کے:

هو الاول والاخر والظاهر والباطن.

۲۶۔ لائحۂ بست و ششم

اِس میں شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ کے اس قول کی مفصل شرح بیان کی ہے کہ عالم عبارت ہے ان اغراض سے جو عین واحد میں کہ حقیقتِ ہستی ہے مجتمع ہو گئے ہیں اور ان میں ہر لحظہ اور ہر آن تجدد و تبدل ہوا کرتا ہے جیسا آیۂ کریمہ سے مترشح ہوتا ہے:

بَلْ هُمْ فِي لبْس مِن خَلْق جَدِيد.

۲۷۔ لائحۂ بست و ہفتم

جمال وحدتِ حقیقی کے حق میں عظیم ترین حجاب اور کثیف ترین نقاب اس کے یہی تقیدات و تعینات میں جن میں نظریں اُلجھ کر رہ جاتی ہیں لوگ موجوں کے کھیل تماشہ میں کچھ ایسے محو ہو جاتے ہیں کہ سمندر کی موجودگی کا احساس ہی جاتا رہتا ہے۔

بحرے ست وجود جاوداں موج زناں
زاں بحر ندیدہ غیر موج اہلِ جہاں
از باطن بحر موج بین گشتہ عیاں
بر ظاہر بحر بحر در موج نہاں

۲۸۔ لائحۂ بست و ہشتم

حقیقتِ ہستی اپنے جمیع شیون و صفات نسبت و اعتبارات کے ساتھ ہر موجود کی حقیقت میں شامل و ساری ہے شیخ محمود شبستری رحمۃ اللہ صاحب گلشنِ راز اسی مسئلہ کو یوں بیان کرتے ہیں:

دل یک قطرہ را گر بر شگافی
بہ موج اید از و صد بحر صافی

۲۹۔ لائحۂ بست ونہم

جو افعال مظاہر سے صادر ہوتے رہتے ہیں اُن کے صدور کا انتساب از روئے صورت اِن مظاہر کی جانب صحیح ہے لیکن نہ از روئے حقیقت کے نفس الامر میں سب کا انتساب صرف اسی ذاتِ واحد کی جانب صحیح ہوسکتا ہے جیسا کہ کلام پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

والله خلقكم و ما تعلمون.

۳۰۔ لائحۂ سی ام

ہر امر وجودی بجائے خود غیر محض ہے جن افعال میں شر ونقصان کا پہلو نکلتا ہے وہ ان افعال وجودی کا بجائے خود نتیجہ نہیں بلکہ اس اعتبار سے ہے کہ فلاں امر وجودی نے ایک دوسرے امر وجودی کو معدوم کر دیا۔

> ''چوں صفات و احوال و افعال کہ در مظاہر ظاہر است فی الحقیقہ مضاف بحق ظاہر در آن مظاہر است بس اگر احیاناً در بعضے از آنہا شرے ونقصانے واقع باشد، از جہتِ عدمیت امرے دیگر نداند بود زیرا کہ وجود من حیث ہو وجود خیر محض است و از ہر امر وجودی کہ شرے متوہم میشود، بہ واسطۂ عدمیت امر وجودی دیگر است، نہ بہ واسطہ آں امر وجودی من حیث ہو امر وجودی۔''

زید اگر بکر کو قتل کر ڈالتا ہے تو یہ واقعہ اپنے اثباتی یا ایجابی پہلو یعنی زید کی قوت و قابلیتِ قتل کے لحاظ سے مذموم نہیں بلکہ اپنے عدمی وسلبی پہلو یعنی اس لحاظ سے مذموم ہے کہ اس کے باعث بکر کی حیات مرتبۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکی۔

۳۱۔ لائحۂ سی ویکم

شیخ صدرالدین قونیوی رحمۃ اللہ کے ایک قول کی شرح کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ علم تابع ہے وجود کے ہر حقیقت وجودی کے لیے ایک علم ہے اور تفاوت حقائق وجود کے متناسب تفاوتِ علم بھی ہوتا رہتا ہے۔

۳۲۔ لائحۂ سی ودوم

جس طرح حقیقتِ ہستی مطلق جمیع موجودات کی ذوات میں شامل ومندرج ہے، اِسی طرح اس کے صفات بھی جمیع صفات موجودات میں جاری وساری ہیں۔

۳۳۔ لائحہ سی وسوم

اصل عبارت سننے کے قابل ہے:

حقیقتِ ہستی ذاتِ حق سبحانہ تعالیٰ شیون ونسب و اعتبارات آن صفات اووا ظہار اومر خودش رامتلبسہ بھذا السب والاعتبارات فصل و تاثیر فعل تاثیر اوتعینات ظاہرہ مرتبہ علی ھذ االاظھار آ ثار او۔“

۳۴۔ لائحۂ سی و چہارم

حضرتِ حق کی دو تجلیات ہیں ایک علمی غیبی جس کو صوفیہ فیضِ اقدس سے موسوم کرتے ہیں دوسرے اشہادی وجودی جس کا اصطلاحی نا فیضِ مقدس ہے۔

”دامنِ تجلی ثانی مترتب بر تجلی اول ست ومظہر ست مرکمالاتے را کہ بہ تجلی اول در قابلیات واستعدادات اعیان اندراج یافتہ بود۔“

ضمیمہ ا

فقرِ محمدی ﷺ

(شیخ احمد بن ابراہیم الواسطی رحمہ اللہ)

پُرانے مشائخِ طریقت میں ایک بزرگ شیخ احمد بن ابراہیم الواسطی رحمہ اللہ گزرے ہیں جن کو شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ ''عالمِ عامل'' اور ''عارفِ کامل'' کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں اور شہادت دیتے ہیں کہ ''از کبارِ مشائخِ دیارِ عرب بود و مقتدائے روزگار، دور طریقِ اتباعِ سنت و تقویم و ترویج ایں طریقہ بے نظیر وقتِ خود بود۔''

''عرب کے مشہور مشائخ میں سے تھے اور اپنے زمانہ کے پیشوا اور پیروی سنتِ رسول ﷺ اور اس کے پھیلانے میں اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے۔''

ان بزرگ کا عربی میں ایک رسالہ الفقر المحمدی کے نام سے ہے، شیخ دہلوی رحمہ اللہ کو ایک نسخہ اس کا ہاتھ لگ گیا اس کا فارسی ترجمہ انہوں نے تحصیل الکمال الابدی باختیار فقرِ محمدی ﷺ کے نام سے کر دیا جو ان کے مجموعۂ رسائل و مکتوبات میں نمبر پانچ پر شائع ہوا ہے، آج تصوف کے بہت سے دشمن اور مخالفین اور بہت سے دوست و موافقین اس کو شریعتِ اسلام سے علیحدہ کوئی مستقل نظام سمجھ رہے ہیں، ان دونوں گروہوں کے حق میں، شاید اس کے بعض مطالب کا مطالعہ مفید ہو ترجمہ لفظی نہیں، عنوانات میرے اضافہ کیے ہوئے ہیں اور مضامین کی ترتیب بھی میری ہی قائم کی ہوئی ہے۔

تصوف کا اصل اصول

اگر سچی درویشی اور اصلی فقیری کی طلب ہے جس کی جڑ مضبوط اور جس کی شاخیں بلند ہوں تو لازم ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی فقیری اور درویشی کو اختیار کرو انھیں کی پیروی کرو کہ صاف اور پاکیزہ پانی وہیں ملتا ہے جہاں سے چشمہ پھوٹتا ہے اور بعد کے آنے والوں کی درویشی کو اختیار نہ کرو کہ پانی سرچشمہ سے دور جا کر گدلا ہو جاتا ہے اور اس کا رنگ اصلی باقی نہیں رہتا۔

اس مسلک کا انجام

اس طریقہ محمدی ﷺ پر اگر قایم رہے تو امید ہے کہ اگلوں سے جا ملو گے جو پیغمبر خدا ﷺ کے اصحاب میں سے تھے اور قیامت کے روز پیمبر ﷺ کے جھنڈے کے نیچے پیمبر ﷺ و یارانِ پیمبر ﷺ کے ساتھ تمہارا حشر ہوگا۔ یہ وہ وقت ہوگا کہ دوسرے اپنے اپنے شیوخ اور مرشدوں کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، لیکن تمہارے اوپر اس وقت تمہارے شیخ یعنی حضور نبی کریم ﷺ کے جھنڈے کا سایہ ہوگا۔

تصوف کے معنی

لوگوں کی زبان پر آج فقر، فقر ہے لیکن اس کی حقیقت سے بہت کم لوگ واقف ہیں نہ یہ جانتے ہیں کہ اس کی ابتدا کہاں سے ہوتی ہے اور نہ یہ خبر ہے کہ اس کی انتہا کیا ہے اگر فقر کے معنی سمجھ میں آ جائیں اور اس کے ابتدائی مدارج کا علم ہو جائے تو اس پر اس کی انتہا کا بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ فقر کے میدان میں قدم رکھنا صرف اسی وقت ممکن ہے جب ممنوعات سے بچنے اور احکام کی تعمیل پر قدر حاصل ہوے۔

لازمی شرطیں

اس رنگ میں ڈوبنے کے لیے پہلی شرط یہ ہے جس طرح کہ اپنے جسم کو گناہ سے محفوظ رکھتا ہے، اسی طرح فقیر اپنے دل کو خیالِ گناہ سے محفوظ رکھے اور اگر دل میں کبھی کوئی خطرہ پیدا ہو تو فوراً اس سے توبہ کرے، فقیر ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے دلوں میں مرضیٔ الٰہی کے خلاف کسی خطرہ کا گزر ہی نہیں ہوتا، انھیں اس امر کی شرم ہوتی ہے کہ خدا کی دوستی کا دعویٰ کر کے کسی غیر خدائی خیال کو دل میں آنے دیں، یہ فقر کا ابتدائی مرتبہ ہے جب تک یہ قدرت نہ حاصل ہو لے، زبان پر فقیری کا نام لاتے ہوئے بھی شرمانا چاہیے۔

گناہ سے بچنے احکام کی پابندی کرنے اور دل کو خطرات اور وساوس سے محفوظ کر لینے کے بعد دوسری شرط فقیر کے لیے یہ ہے کہ خدا کی طلب ومحبت دل پر اتنی غالب آجائے اور طبیعت خدا کی محبت سے اس قدر مغلوب ہو جائے کہ دنیا کے تمام فوائد ومنافع بالکل جل جائیں اور ان کا خیال تک نہ آنے پائے دل کو محض محبوب حقیقی ومطلوب اصلی کے لیے مخصوص ہو جانا چاہیے اور ماسوا سے بالکل خالی ہو جانا چاہیے جب تک یہ کیفیت نہ طاری ہو جائے فقیری کا دعویٰ کرنے سے شرمانا چاہیے۔

کاملین کا مرتبہ

اوپر جو شرطیں بیان کی گئیں یہ مبتدیوں کے لیے ہیں جب دل کو انہیں سننے کی تاب نہیں اور ان پر عمل کی توفیق نہیں تو کاملین کے مرتبۂ کمال کو وہ کیوں کر سمجھ سکتا ہے اور اس کی تشریح اس مختصر رسالہ میں کیسے کی جاسکتی ہے صرف ان کے مرتبہ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

جھوٹے مدعی

رونے کا مقام ہے کہ ہم میں ایسا گروہ پیدا ہو گیا ہے، جو حرام کھاتا ہے اور باطل میں مشغول رہتا ہے، جو ان لوگوں کو مل جائے وہی ان کے نزدیک حلال ہے اور جو نہ ملے وہی حرام ہے، دن رات انھیں یہ دھن سوار رہتی ہے کہ لذیذ غذائیں کھانے کو اور خوبصورت چہرے دیکھنے کو اور نغمہ کی آوازیں سننے کو ملتی رہیں اور اس دھن میں یہ بڑے بڑے دعوے زبان سے نکالتے ہیں اور اپنے میں وجد و حال ظاہر کرتے ہیں تاکہ عوام ان کے معتقد ہوں اور انھیں دنیا کچھ اور ہاتھ آئے، ان لوگوں کو نہ حلاوتِ اسلام سے واسطہ نہ لذتِ ایمان سے سروکار، ساری رات رقص و سماع میں مصروف رہتے ہیں اور نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو گویا ٹکریں مار کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور امیروں اور بادشاہوں کے ہاں کی آمد و رفت اور ان سے نذریں حاصل کرنے پر فخر کرتے ہیں، خدا تعالیٰ ان کے شر سے بچائے کہ دنیا کے رہزنوں سے کہیں بڑھ کر یہ دین کے رہزن ہیں، دنیا کا رہزن مال لے جاتا ہے اور یہ دولتِ ایمان پر ہاتھ صاف کرتے ہیں عوام پر ان کے لباسِ فقر کا اثر پڑتا ہے اور وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ فقیری اسی کا نام ہے۔

سچے فقیر کی علامات

محمدی ﷺ فقیروں کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ قرآنِ کریم کے ذوق سے مست رہتے ہیں اور اس کی آواز پر وجد کرنے لگتے ہیں اور اس کے سننے کے وقت ان پر خود متکلم (یعنی خدا) کی تجلیوں کا عکس پڑنے لگتا ہے کیسے غضب کی بات ہے کہ جس محبوب کی محبت کا دعویٰ کیا جائے، اسی کے کلام میں لطف نہ آئے اس کے لیے طبیعت حاضر نہ ہو اور لطف آئے تو شعر و قصیدہ پر گانے بجانے پر اور تالیوں پر۔

سماع اور قرآن

اللہ کے دوستوں اور عاشقوں کے لیے ساری لذت وحلاوت قرآن میں ہے اور ان کے دلوں کی راحت وتسکین کا سامان اسی میں ہے کلام کے ساتھ ہی ان کا دل متکلم سے وابستہ ہو جاتا ہے اور قرآن کے احکام وقصص مواعظ واخبار، وعدہ وعید کو سنتے ہی اُن کے دلوں میں گداز پیدا ہو جاتا ہے اور متکلم کی عظمت میں وہ اپنی ہستی گم کر دیتے ہیں اور جو یہ کہا جاتا ہے کہ شعر کو نہ کہ قرآن کو طبیعت بشری سے خاص مناسبت ہے، اس لیے اشعار کو سن کر دل میں قدرتاً تحریک پیدا ہوتی ہے، سو یہ قول لغو وبے حقیقت ہے اس لیے کہ شعر کے وزن اور موسیقی کے تال سُر پر حرکت کرنا جبلتِ حیوانی کا تقاضا ہے۔

چناں چہ حیوانات اور بچے، سب اچھی موسیقی سے اثر قبول کرتے ہیں، یہ فطرت حیوانی ہے انسان کی اعلیٰ فطرت کا درجہ اس سے کہیں بلند ہے جن کے دلوں میں ایمان گھر کر چکا ہے اور محبتِ الٰہی حلاوت حاصل کر چکی ہے، جیسا کہ صحابہ اکرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کے بعد کے آنے والوں کا حال تھا سو ان کے قلب کو حرکت میں لانے والی اور ان کے شوق، وجد، رقت اور خشوع کو بڑھانے والی شے قرآن پاک کی سماعت ہی ہو سکتی ہے۔

عملی ہدایات

صحیح تصوف یا فقر محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں قدم رکھنے والے کے لیے عملی ہدایتوں میں سے پہلی شے یہ ہے:

''اپنے پروردگار کے سامنے، جس نے قرآن اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی پاک نعمتیں اتاری ہیں، صدقِ دل سے توبہ کرنا پھر تنہائی میں جا کر سب کی نظروں سے الگ وضو کر کے دو

رکعتیں خشوعِ قلب کے ساتھ پڑھنا، اس سے فارغ ہو کر ننگے سر ہاتھ باندھے ہوئے اپنی خطاؤں پر نادم ہو کر اتنی دیر تک کھڑے رہنا کہ دل میں گداز پیدا ہو جائے اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو جائیں اس وقت رو رو کے توبہ و استغفار کرنا اور الفاظِ حدیث کے مطابق سیّد الاستغفار پڑھنا۔ پھر طریق پیرویٔ رسول ﷺ پر قایم و مضبوط رہنے کے لیے توفیق چاہنا اور آیندہ کے لیے مضبوط عہد کرنا کہ آنکھ، کان، زبان، شکم، شرمگاہ اور ہاتھ پیر ہر قسم کے گناہ سے محفوظ رہیں گے، ایسا کہ جب دن ختم ہو تو نہ زبان کسی کی بدگوئی، جھوٹ، بدزبانی وغیرہ سے آلودہ ہوئی ہو، نہ کان نے کوئی بے جا بات سنی ہو اور نہ آنکھ کسی ایسی چیز پر پڑی ہو جس کا دیکھنا شرعاً پسندیدہ نہ تھا اور نہ خالق و مخلوق میں سے کسی کا حق اپنے اوپر باقی رہنے پائے۔"

عملی ہدایات کی دوسری دفعہ یہ ہے کہ

"نماز با جماعت، اپنے ارکان و آداب و حضورِ قلب وغیرہ کی پوری پابندیوں کے ساتھ ادا کی جائے ایسی کہ حدیث میں جو لفظ "احسان" آیا ہے، اس کی پوری عملی تفسیر ہوتی رہے، حال صحیح وہی ہے جو حالت نماز میں طاری ہو، بندہ اور پروردگار کے درمیان رابطہ پیدا کرنے والی شے نماز ہے پس اگر نماز میں حضورِ قلب نہیں پیدا ہوتا تو اس کا کوئی حال معتبر نہیں، اس لیے کہ جس بندہ کے حجابات، ایسی منزلِ قرب میں بھی پہنچ کر دور نہیں ہوئے، اس کے لیے کسی دوسرے موقع پر اس کی کیا امید ہو سکتی ہے، حیف ہے کہ سماعِ شعر کے وقت تو قلب حاضر ہو لیکن جو وقت عین حضوریٔ حق کا ہوتا ہے اس وقت غائب ہو ایسی فقیری فاسد اور ایسی درویشی ناجائز۔"

بنیادِ کار

سچے تصوف کی بنیاد، رسول کریم ﷺ کے ساتھ محبت و ربطِ قلب پیدا کرنے پر

ہے۔ اپنے دل کو اُس ذات گرامی کی محبت میں اٹکایا جائے، اسی کو اپنا شیخ اور اپنا امام بنایا جائے، اسی کے نام پر بکثرت درود وصلوٰۃ بھیجا جائے اور اسی کے ساتھ پیوندِ محبت مستحکم کرلیا جائے، تمام درویشوں کو دیکھا ہوگا کہ ان کے دلوں میں، ان کے مرشدوں کی عظمت، ایسی بیٹھ جاتی ہے کہ وہ جب کبھی اپنے شیخ یا مرشد کا نام سنتے ہیں تو بے چین ہو جاتے ہیں یہی کیفیت، یہی نسبتِ قلب سچے درویش کو رسول کریم ﷺ کی ذات گرامی کے ساتھ پیدا کر لینی چاہیے، اپنا امام اور شیخ انھیں کو بنانا چاہیے، دل میں خیال آئے تو انھیں کا، آنکھوں میں صورت پھرتی رہے تو انھیں کی، کان لذت حاصل کریں تو انھیں کے نامِ مبارک سے عظمت کا احساس پیدا ہو تو انھیں کے ذکر سے، زبان انھیں پر درود بھیجنے میں لگی رہے، دل میں انھیں کے حالات سننے اور جاننے کا ذوق پیدا ہو، حدیث و آثار کے پڑھنے سے علاقۂ محبت کو اور ترقی ہو، شوق و اشتیاق ہو تو انھیں کا، یاد ہو تو انھیں کی، پیروی ہو تو انھیں کی، ہر امر انھیں کے حکم کی تعمیل اور پیروی کا شوق غالب ہو اور ان کی پیروی میں اتنی شدت برتی جائے کہ ہر شخص دیکھتے ہی ''محمدی ﷺ'' سمجھ لے۔

رسالہ کے اہم اور ضروری مطالب کا ملخص، سطورِ بالا میں آ گیا شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ ان تمام مطالب کو نقل کرنے کے بعد خود بھی ان کی پُر زور تائید کرتے ہیں کیا اہل شریعت اس میں کوئی امر اپنے عقیدہ کے خلاف پاتے ہیں؟ کیا اہلِ طریقت کو اس میں کہیں حرف رکھنے کی گنجایش ہے؟ کیا کسی گروہ کو کوئی وجہِ اعتراض ہے؟

ہمارے سچے رسول ﷺ کی زبان سے یہ پیام دنیا کو پہنچا تھا کہ غیر مسلم اگر خدائے واحد و یکتا کی پرستش پر متفق ہو جائیں تو مسلمانوں سے فوراً صلح ہو سکتی ہے اگر آج سارے اسلامی فرقے، رسول ﷺ خاتم و برحق کی محبت و اطاعت کے مرکزی نقطے پر آ کر جمع ہو جائیں تو آپ کی رنجش و نقیض اور رد و کد کے لیے کوئی گنجایش رہ جاتی ہے؟

ضمیمہ۲

مرشد کی تلاش

صوبۂ اودھ کے ایک قصبہ سے ایک صاحب کا ایک بہت طویل مراسلہ مہینوں سے آیا ہوا پڑا ہے، دوسرے مضامین کے ہجوم نے اب تک توجہ نہ کرنے دی، مراسلہ کا زیادہ حصہ حسب ذیل ہے:

''مدت سے ایک ضمیری الجھن میں مبتلا ہوں اور کوئی روحانی طبیب مجھے ملتا نہیں، بحیثیت مسلمان پیری مریدی سے متعلق آپ کے حقیقت آگیں خیالات سے مستفیض ہونا چاہتا ہوں، خوش نصیبی یا بد نصیبی سے میرے خاندان میں دونوں شغل ہوتے ہیں، مجھے کسی اللہ والے سے نسبتِ ارادت حاصل نہیں، بہت گناہگار ہوں مگر قلب و ضمیر کی حالت بحمد اللہ بہت کچھ قابلِ اطمینان ہے۔..........

اسلامی نقطۂ نظر سے پیری مریدی کے اغراض و مقاصد کیا ہیں؟ ملتِ مرحومہ کے لیے من حیث الاسلام یہ کہاں تک لازمی ہے؟ کیا قرن اول میں جو یقیناً اسلام کا عہد سعادت تھا ایسی مثالیں ملتی ہیں؟ عہد نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعہدِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد دورِ تابعین رحمۃ اللہ علیہم میں بھی

کیا پیری مریدی کی یہ کثرت اور ناخوش آیند بہتات تھی؟ تمسک بالکتاب والسنۃ کے بعد کیا یہ بھی لازمی ہے کہ کسی رسمی پیر کی پیروی کی جائے؟ ایک مسلمان امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا پابند، اللہ سے ڈرتا، سچ بولتا، مشائخ کرام اور صلحائے امت کا ادب واحترام رکھتا ہے، لیکن عرف عام میں مرید نہیں؛ کیا عنداللہ وہ اس کا ذمہ دار ہے؟ اگر بیعت کا مقصد دعوت الی الحق رشد وہدایت وغیرہ ہے تو آج کل پیروں کی جماعت عموماً یہ خدمات کہاں تک انجام دے رہی ہے پھر محترم علمائے امت کی موجودگی میں اس جماعت کی ضرورت ہی کیا ہے؟ پھر صوفیائے کرام کی جماعت میں اگر کچھ صاحبانِ علم وعمل افراد ہیں بھی تو ان میں ایسوں کا تو بالکل پتہ نہیں جو بلا خوف لومۃ لائم اظہارِ حق میں بے باک ہوں.........

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسوۂ حسنہ محفوظ ہیں کیا ان سے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ مسلمانوں کی دو جماعتیں ہونی چاہئیں، ایک دین کی رہنمائی کے لیے اور دوسری دنیا کی یا یوں کہا جائے کہ ایک مسلمانوں کے قلب وضمیر کی اصلاح کرے اور دوسری شریعت کے ظاہری احکام کی طرف رہنمائی؟ پھر اگر کوئی مسلمان اپنی فطری صلاحیت سے اپنے اخلاق کی اصلاح کرنا چاہے تو کیا یہ ممکن نہیں؟

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی:

من مات و ليس فى عنقه بيعته مات ميتة الجاهلية.

کا کیا مفہوم ہے؟ امام سے مراد امیرِ امت، قائدِ عسکر، مرشدِ طریقت، امامِ جماعت، لیکن اول الذکر دو صورتوں میں ہندوستان کے سات

کروڑ حلقہ بگوشانِ اسلام کے لیے صورت تشفی کیا ہے؟
مشائخ کرام سورۂ فتح کی آیہ کریمہ:

ان الذین یبایعونک..........الخ

سے استدلال فرماتے ہیں اور بیعتِ طریقت کو لازمی بتاتے ہیں؛ کیا موجودہ بیعتوں کو کوئی نسبت اس بیعت سے ہے؟ اسلام میں بیعت کی مختلف صورتیں ہیں متداول بیعتیں کس شق میں داخل ہیں؟ ایک بیعت اس خیال سے بھی کی جاتی ہے کہ چاہے تمام عمر کچھ بھی کرتے رہیں، لیکن اگر کسی سلسلہ میں داخل ہو گئے تو ہمارے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے.......... اب واقعی بیعت کی دو صورتیں رہ گئیں، کسی مسلمان کا اپنے گناہوں سے پشیمان ہونا اور کسی محترم شخصیت کے ہاتھ پر ترکِ گناہ کا عہد کرنا.......... مگر ظاہر ہے کہ آج کل یہ خیال سرے سے پیشِ نظر ہی نہیں، اب رہی دوسری صورت اور وہی یقیناً مبارک ہے یعنی کسی مسلمان کو پورا پورا پابندِ شریعت اور متبعِ سنت پائے اور اس کے قدم بہ قدم چل کر اپنی دنیا و عاقبت سنوارے لیکن جناب محترم مجھ سے کہیں زیادہ باخبر ہیں کہ آج مسلمان اس پر کہاں تک عامل ہیں؟.......... جامعہ عثمانیہ کے ایک ممتاز فاضل سے تبادلۂ خیال کا اتفاق ہوا ان کی تقریر کا ماحصل یہ نکلا کہ مسلمان ان معاملات میں بھی دوسرے اقوام کے عقاید و خیالات سے متاثر ہوئے اور انھوں نے کچھ تاریخی شہادتوں سے استناد کیا۔"

مراسلہ نویس کے دل میں جو خیالات اور سوالات پیدا ہوئے ہیں بہتوں کے ذہن انھیں الجھنوں میں مبتلا ہیں اور سچ یہ ہے کہ جس سے وہ جوابات اور اپنی تشفی چاہتے ہیں

وہ خود بھی نہ ابھی تک کسی کا مرید ہے اور نہ ان الجھنوں سے آزاد ہو چکا ہے، بیمار کے علاج کے لیے ضرورت طبیب کی ہے نہ کہ کسی دوسرے بیمار کی، تاہم بعض پُرانے مریض، طبیبوں کی باتیں سنتے سنتے خود بھی کچھ نیم طبیب سے ہو جاتے ہیں اور گو خود بدستور بیمار چلے جاتے ہیں لیکن اپنے ان تجربوں سے نئے مریضوں کی ایک گونہ ہمدردی و دل دہی کر سکتے ہیں۔

سب سے پہلے ایک اہم حقیقت کو پیشِ نظر کر رکھنا چاہیے، جو اگرچہ بالکل صاف واضح اور غیر اختلافی ہے لیکن اکثر ذہن سے نکل جاتی ہے اور اسی کے نظرانداز ہو جانے سے طرح طرح کی غلط فہمیاں اور الجھنیں پیدا ہو جاتی ہیں وہ حقیقت یہ ہے کہ خالص دینی علوم بھی آج جن باآئین و باضابطہ صورتوں میں موجود ہیں اور جو مصطلحات ان میں رائج ہیں، عہدِ رسالتمآب ﷺ میں ان میں سے کوئی شے بھی نہ تھی اور اس خاص لحاظ سے یہ سب ''بدعت'' ہی ہیں خود سنتِ رسول ﷺ ہی کو لیجیے، آج فنِ احادیث وسنن ایک مستقل و مخصوص فن ہے جس میں صدہا اصطلاحات ہیں جس کے اصول پر تصانیف کا ایک دفتر ہے جس کی مختلف شاخیں اور شعبے ہیں اور جس کے سیکھنے کے لیے برسوں کی محنت اور اساتذہ کاملین کی ہدایت کی ضرورت ہے، ظاہر ہے کہ عہدِ رسالت ﷺ میں یہ کچھ بھی نہ تھا، رسول اللہ ﷺ کی معمولی سادہ گفتگو کا نام ''حدیث'' اور روزانہ زندگی کا نام ''سنت'' تھا بہ این ہمہ محدثین کرام کی کاوشوں کو کوئی شخص بدعت، کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا، یہی حال ائمہ تفسیر کی نکتہ سنجیوں اور ائمہ فقہ کے قیاس، اجتہاد و استنباط کا ہے، لغوی معنی کے لحاظ سے یہ سب کچھ بدعت ہی ہے۔ لیکن اگر حقیقتاً بخاری و مسلم، امام اعظم ابوحنیفہ و امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی جان فشانیوں سے یکسر قطع نظر کر لی جائے تو شریعتِ اسلام کے پاس باقی کیا رہ جائے گا؟ خود صحیفۂ ربانی تک، اس ہیئت و ترتیب و تدوین کے ساتھ مکتوبی صورت میں، عہدِ رسالت ﷺ میں کہیں یکجا موجود نہ تھا۔

بات بالکل صاف اور موٹی ہے لیکن ذہن انسانی کا خاصہ ہے کہ اکثر سامنے کی

چیزوں کو بالکل بھلائے رکھتا ہے اور دُور دُور کی باریکیوں میں الجھنے لگتا ہے غرض جو حال فقہ کا ہے، تفسیر کا ہے حدیث کا ہے، ٹھیک وہی حال تصوف وسلوک کا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں نہ لفظ ''تصوف'' موجود تھا، نہ لفظ صوفی اور نہ ''احوال'' و ''مقامات'' ''اذکار'' و ''اشغال'' کی وہ سینکڑوں دوسری اصطلاحیں، جن سے موجودہ تصوف بھرا پڑا ہے۔ ''پیری'' و ''مریدی'' کے الفاظ بھی اس زمانہ میں ناپید تھے پس جہاں تک لفظ و اصطلاح کا تعلق ہے، یہ دعویٰ بالکل درست ہے کہ تصوف اور پیری مریدی بدعت ہے لیکن اس معنی میں خود فنِ حدیث بھی بدعت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں نہ کوئی فن اسماء الرجال تھا نہ ''جرح'' و ''تعدیل'' کے اصول و قواعد مدون تھے، نہ ''ضعیف'' و ''موضوع'' کی اصطلاحیں وضع ہوئی تھیں اور نہ کوئی دماغ ''متواتر'' و ''صحیح'' ''حسن'' و ''غریب'' کی بحثوں سے آشنا ہوا تھا لیکن لفظ و اصطلاح کی بحث سے گزر کر اگر اصل حقیقت تک پہنچنا مقصود ہے تو جس طرح ہر صحابی، بزمِ رسول ﷺ کا ہر صحبت یافتہ دربار رسول ﷺ کا ہر حاضر باش، مفسر تھا محدث تھا اور فقیہ تھا اسی طرح صوفی بھی تھا اور بلا استثنا ہر صحابی، مرید بھی تھا سب کے پیر، مُرشدِ کل، سرکار رسالت ﷺ تھے۔

کہا جاتا ہے کہ

> ''تمسک بالکتاب والسنۃ کے بعد کسی رسمی پیر کے مرید ہونے کی ضرورت کیا رہتی ہے؟ سارا مغالطہ سوال کے لفظ ''رسمی'' میں موجود ہے ''رسمی'' تو کسی شے کی بھی ضرورت نہیں، نہ رسمی اسلام کی، نہ رسمی اتباعِ رسول ﷺ کی، نہ رسمی تمسک بالکتاب کی لیکن حقیقی ایمان حقیقی تمسک بالکتاب والسنۃ بغیر کسی زندہ شخصیت کے توسط کے ممکن کیوں کر ہے؟ اور اسی زندہ شخصیت کا اصطلاحی نام ''پیر'' ہے ''مرشد'' ہے، صاحبِ بیعت و ارشاد ہے، ابوبکر و عمر، عثمان و علی، حسن و

حسین رضی اللہ عنہم اجمعین سے بہتر فطری صلاحیت واستعداد کس میں موجود ہو سکتی ہے پھر جب ان کے لیے ایک زندہ شخصیت صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ناگزیر رہا تو اور کسی کو کب مفر ہو سکتا ہے؟

حدیث کی جن کتابوں کو ہم سرچشمۂ تقدیس سمجھ رہے ہیں ان کے نقوش وحروف ان کے کاغذ کی سفیدی اور الفاظ کی سیاہی میں کیا رکھا ہوا ہے؟ ان کو جو کچھ تقدس ہے وہ سارے کا سارا اسی بنا پر تو ہے کہ ان کے اندر کسی زندہ شخصیت کی روح کس حد تک محفوظ ہے۔ یہ روح مردہ کاغذ کے مُردہ طومار میں تو محفوظ ہو جائے اور زندہ انسان کے زندہ قلب میں نہ محفوظ ہو سکے۔ یہ روح الماریوں کی سفینوں میں تو منتقل ہو جائے اور پاکوں اور پاکبازوں کے سینوں کو منور نہ کر سکے۔

قرآن، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تو کلام نہیں، اللہ ہی کا کلام ہے اور بندوں کی ہدایت ہی کے لیے نازل ہوا ہے یہ بھی ہم سب کا ایمان ہے اور خود قرآن بار بار اس کا دعویٰ کرتا ہے کہ اس میں ساری ضروری ہدایات، تفصیل وتشریح کے ساتھ موجود ہیں، بہ این ہمہ یہ نہ ہوا کہ قرآن براہ راست تمام بندوں کے پاس پہنچ جاتا، منکرین اور مومنین اسے آسمان سے اترتا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے، کسی اونچے پہاڑ کی چوٹی پر رکھا ہوا مل جاتا یا ایک روز جب صبح ہوتی تو اس کا ایک ایک نسخہ ہر شخص کے سرہانے رکھا ہوا موجود ہوتا۔ اس طرح کی تو کوئی چیز بھی نہ ہوئی بلکہ اللہ نے اس کے بالکل برعکس طریقہ یہ اختیار کیا کہ پہلے ایک انتہائی بدکار قوم کے درمیان ایک پاک اور برگزیدہ ہستی پیدا کی، چالیس برس کی عمر تک اُس شخصیت کو اس قوم کے

درمیان ہر قسم کے سابقہ کے ساتھ رکھا اور اس کی طینت وسیرت کے ایک ایک جزئیہ کی جانچ اور پرکھ کا پورا موقع دیا، جب یہ سب مراتب طے ہو چکے اس وقت کہیں جا کر پیام کا نزول شروع ہوا، لیکن اس وقت بھی ''پیام'' کے پیش کرانے سے قبل ''پیام بر'' کی شخصیت ہی کو پیش کرایا گیا اور جب قوم اس شخصیت کے صادق وامین ہونے کا اقرار کر چکی تب اس سچے کی زبان سے سچی باتیں کہلائی جانی شروع ہوئیں، اس پر بھی سارے پیام کو یک بیک اور دفعتاً نہیں پیش کر دیا گیا، بلکہ پیامبر کی شخصیت پر مختلف اور متعدد دور طاری کر کے ۲۲۔۲۳ برس کی طویل مدت میں بہت ہی تدریج کے ساتھ اس پیام کو پہنچایا گیا۔ پس فطری اور ربانی طریقہ تو یہی ہے کہ پہلے پیامبر پھر پیام پہلے طبیب پھر نسخہ پہلے ہادی پھر ہدایت۔ اب اگر ہم اس ترتیب کو الٹ دینا چاہیں اگر ہادی سے بے نیاز ہو کر ہدایت تک، اور شخصیتوں سے قطع نظر کر کے محض اصول ومسائل تک پہنچ جانا چاہیں تو یہ ترتیب ربانی سے جنگ کرنا ٹھہری۔

یہ نہ خیال گزرے کہ یہ طریقِ دعوت وہدایت صرف وحیِ الٰہی کے ساتھ مخصوص تھا بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعثت کے بعد اپنے قصد وارادہ کے ساتھ یہی طریقہ اختیار کر رکھا ہے آپ نے یہ نہ کہا کہ قرآن مجید کے نسخوں کی نقلیں کثرت سے کرا کے محض اُنھیں اطرافِ ملک میں بھیج دیا ہوتا یا اپنے اقوال وسنن کو ضبطِ تحریر میں لا کر ملک میں ان کے نسخے کی اشاعت کر دی ہوتی، بلکہ آپ ﷺ نے صحابیوں رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت پیدا کی۔ اشخاص پیدا کیے جو اپنی

زندگیوں میں آپ ﷺ کی تعلیم اور آپ ﷺ کے عمل کے عملی نسخے تھے اور دین کی روشنی آپ ﷺ نے ان زندہ مشعلوں کے ذریعہ سے پھیلائی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے یہ کبھی نہ کیا کہ کسی گوشہ میں تشریف فرما ہو کر سکون و خاموشی کے ساتھ قلم و کاغذ لے کر تصنیف و تالیف میں مشغول ہو جاتے اور حسن عمل و حسن اخلاق پر مقالات تیار فرمانے لگتے، بلکہ آپ ﷺ نے اپنی نورانیت سے قلوب کو منور کرنا شروع کیا اور اپنی پاکیزگی کے عکس سے دوسروں کے سینوں کو پاک بنا دیا، رسول خدا ﷺ نے کچھ تصنیفات اپنی یادگار چھوڑیں؟ ہاں! بے شبہ چھوڑیں، لیکن وہ کاغذ کے طومار اور سیاہی کے ڈھیر نہیں، وہ گوشت و پوست کے بنے ہوئے جسم اور تقویٰ وطہارت میں ڈھلی ہوئی روحیں تھیں۔ ان تصانیف کا شمار ہزار ہا تک پہنچتا ہے چند مشہور ترین کے نام ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی و علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم تھے پھر یہ حضرات بھی کتابی تصنیف و تالیف پر ایک لمحے کے لیے متوجہ نہ ہوئے انھوں نے بھی زندہ ہستیوں کو اپنے نمونہ پر ڈھالنا شروع کیا اور اپنے شاگردوں کے جسموں میں اپنی روحیں پھونکنے کا عمل جاری رکھا ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم'' ''تابعین رحمۃ اللہ علیہم'' اور ''تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم'' یہ سب کون تھے؟ شاگردوں کی جماعت، مریدوں کی جماعت، بیعت کرنے والوں کی جماعت، ارادت رکھنے والوں کی جماعت۔

مادی علوم میں آج کون سا علم اور دستکاری کے پیشوں میں آج کون سا پیشہ ایسا ہے جس میں استاد کی مدد لازمی نہیں؟ پھر روحانیت کا علم جو

ان تمام علوم سے زیادہ لطیف، تزکیۂ نفس کا فن، جو ان تمام فنون سے زیادہ دشوار اللہ کی معرفت، جو ہر شے سے زیادہ نازک ہے ممکن ہے کہ اسی میں استاد کی ضرورت پڑے، اس سفر میں تو قدم قدم پر رہنما ناگزیر ہے اسی رہنما یا ایسے استاد کا اصطلاحی نام پیر و مرشد ہے کہا جاتا ہے کہ علما کے ہوتے ہوئے پیروں کی ضرورت کیا ہے؟ لیکن یہ ''مولویوں'' اور ''پیروں'' کی موجودہ تفریق بھی تو ہماری آپ کی قائم کی ہوئی ہے۔ اسلام اس کا ذمہ دار کب ہے؟ اسلام تو ''صادقین'' ''متقین'' ''مومنین'' ''صالحین'' ''محسنین'' کی جماعت پیدا کرنا چاہتا ہے، اس میں اس تفریق کا گزر ہی نہیں وہ ہستیاں تو علم و عمل، قول و فعل، فقہ و فقر، دونوں کی جامع ہوتی تھیں، یہ تفریق تو سینکڑوں دوسری تفریقوں کی طرح دورِ انحطاط اور امت کی بدبختی و بداقبالی نے پیدا کر رکھی ہے اور وہی اس کی ذمہ دار ہے۔

مریدی کا اصلی راز، پیر کی صحبت ہے، چناں چہ لفظ صحابی بھی صحبت ہی کی اہمیت کو واضح کر رہا ہے اور پیر کے مفہوم کی جانب ابھی اشارہ ہو چکا ہے یعنی وہ شخص جس کے نفس کا تزکیہ اس حد تک ہو چکا ہے کہ وہ اپنی رفاقت سے دوسرے کے بھی نفس کا تزکیہ کر دے وہ کامل بنا سکتے وہ مصلح جس کی ہم نشینی اور دوسروں کی فطری صلاحیتوں کو ابھار دے، پس مرید ہونے کے معنی اس سے زاید کچھ نہیں کہ جس کے پاک و صالح ہونے پر بھروسہ ہو............ جس کے تزکیۂ نفس پر اعتماد ہو یا بہ اصطلاح صوفیہ جس سے قلب کو ''ارادت'' ہو اس کی خدمت میں، اطاعت و نیازمندی کے ساتھ حضوری رکھی جائے اور یہ مریدی

کلام مجید کے حکم وکونو مع الصادقین کی عین تعمیل ہے، پوری آیت کے الفاظ یہ ہیں:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ.

گویا محض ایمان کافی نہیں، ایمان والوں سے تو خطاب ہی ہے ایمان تو پہلے ہی قائم ہو چکا ہے، اب اس کے بعد حکم ہوتا ہے کہ اللہ سے تقویٰ اختیار کرو، صدق دل سے نمازیں پڑھو، روزے رکھو، ادائے حقوق کرو وغیرہ لیکن یہ سارے اعمال بھی کافی نہیں، بلکہ دوسرا حکم یہ ملتا ہے کہ صادقوں کی معیت اختیار کرو، راست بازوں کی صحبت میں رہو، پاکوں کی پیروی کرتے رہو اور یہی مریدی ہے۔"

اتباع رسول ﷺ کا نام لیا گیا ہے لیکن رسول خدا ﷺ کی زندگی محض خارجی افعال اور ظاہری اعمال کے مجموعہ کا نام نہ تھی۔ پیکرِ خاک کے اندر نور پاک جلوہ گر تھا اور اس نور کی تجلی ریزیاں ہر گھڑی اور ہر لحہ ہوتی رہتی تھیں، تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر حیثیت سے مساوی نہ تھے اپنا اپنا ظرف اور اپنی اپنی نظر تھی حضرت خالد رضی اللہ عنہ میدانِ جہاد کے یکہ ومنفرد ہوئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی نگاہِ ناز کے خود ہی گھائل ہوئے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت حدیث کی اشاعت کرتے رہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قسمت میں ترجمان القرآن بننے کی سعادت آئی، حضرت امام حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کو خاکِ کربلا میں تڑپنا اور خون میں لوٹنا نصیب ہوا، ہر صاحب کا مذاقِ طبیعت جداگانہ تھا، قدرتاً ایک بڑی جماعت کی توجہ امور خارجی پر زیادہ مبذول رہی اور اس کا بڑی تفصیل سے مطالعہ ہوتا رہا کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز میں ہاتھ سینے پر باندھا یا ناف پر، آمین آہستہ فرمائی یا آواز سے، لیکن ایک دوسری جماعت بھی برابر موجود رہی جس کی نظر ظاہر سے زیادہ باطن پر، قال سے زیادہ حال پر رہی، یہ وہ خوش نصیب تھے جنھوں نے محض "فتح مکہ" کی جلوہ طرازیوں کا تماشا نہیں دیکھا بلکہ

''غارِ حرا'' کی خلوت آرائیوں کا مزہ بھی چکھا، جنھوں نے محض عرض المومنین علی القتال، ہی کا پیام نہیں سنا بلکہ سبحان الذی اسریٰ کی حقیقت کو بھی پہچانا اور جن کی نگاہیں محض یہیں تک محدود نہیں رہیں کہ نماز میں کتنی رکعتیں پڑھی گئیں، بلکہ یہاں تک بھی پہنچیں کہ نماز کس دل سے پڑھی گئی؟ کس ذوق وشوق سے ادا کی گئی اور قلب کے اندر خضوع وخشوع کی کیا کیفیتیں جاگزیں رہیں؟ شجرۂ تصوف وطریقت کے سرِ سلسلہ یہی بزرگان کرام ہوئے ہیں، اس نعمت کے حصہ دار کم وبیش تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے لیکن خصوصیت کے ساتھ اس دولت سے مالا مال، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ وغیرہم تھے۔ چناں چہ صوفیہ کے قدیم تذکرے انھیں حضرات سے شروع کیے گئے ہیں اور تصوف کی بعض قدیم ترین تصانیف میں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بھی صراحت کے ساتھ اساطینِ تصوف میں شمار کیا گیا ہے:

''شریعت'' و''طریقت'' کے درمیان کوئی تخالف یا تضاد مطلق نہیں، بلکہ اکابرِ طریقت کے حسبِ تصریح، کمالِ شریعت ہی کا نام طریقت ہے، اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب تک محض ظواہر تک محدود ہے اس کا نام شریعت ہے اور جب قلب و باطن بھی نورانیتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے منور ہو گیا، تو یہی طریقت ہے ایک شخص نے نماز حسب قواعد مندرجہ کتبِ فقہ پڑھ لی شریعت کے رو سے یہ نماز جائز ہو گئی، طریقت اسے کافی نہ سمجھے گی وہ اس پر مصر ہو گی کہ جس طرح چہرہ کعبہ کی جانب متوجہ رہا؛ قلب بھی ربِ کعبہ کی جانب متوجہ رہے اور جس طرح جسم حالتِ نماز میں ظاہری نجاستوں سے پاک رہا؛ روح بھی باطنی آلائشوں اور پریشان خیالیوں سے پاک رہے۔ یہ شریعت کی مخالفت ہوئی یا منشائے شرعت کی عین تکمیل؟ حضرتِ اکبر نے اسی مقام اور اسی منزل کی توضیح اپنے مخصوص انداز میں کی ہے۔

شریعت درِ محلِ مصطفیٰ ﷺ
طریقت عروجِ دلِ مصطفیٰ ﷺ
عبادت سے عزت شریعت میں ہے
محبت کی لذت طریقت میں ہے
شریعت میں ہے صورت ''فتح بدر''
طریقت میں ہے معنی ''شقِ صدر''
شریعت میں ہے قیل و قالِ حبیب ﷺ
طریقت میں حسن و جمالِ حبیب ﷺ
نبوت کے اندر ہیں دونوں ہی رنگ
عبث ہے یہ ملا و صوفی کی جنگ

آخر یہ ارشاد مبارک بھی تو رسول اللہ ﷺ ہی کا ایک کسی اور سائل کے جواب میں ہے کہ

قال ماالاحسان؟ قال ان تعبداللّٰہ کانك تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراك.

(بخاری کتاب الایمان)

''احسان نام اس کا ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہیں دیکھتا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔''

پوری حدیث میں ایمان کے معنی بعض عقاید کے بتائے گئے ہیں اور اسلام کے معنی بعض اعمال کے ارشاد ہوئے ہیں۔ اس کے بعد، احسان کی یہ توضیح فرمائی گئی ہے گویا عقیدہ و عمل کے بعد ایک تیسری منزل، ان دونوں سے بلند تر احسان کی آتی ہے جس کا تعلق محض جاننے اور کرنے سے نہیں بلکہ ''مشاہدہ ورویت'' سے ہے یہی منزل،

تصوف وطریقت کی منزل ہے، چناں چہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اہلِ تصوف کے بجائے اہلِ احسان ہی کی اصطلاح اختیار کی ہے اور شاید اہلِ صدق وصدیقین کی اصطلاحیں بھی یہی کام دے سکیں لیکن یہ ساری بحثیں محض لفظی ہیں۔ سوال صرف یہ ہے کہ ایمان کے اجزا اور اسلام کے ارکان تو کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ ایمان وعمل کے ظاہری اور خارجی پہلو تو کتابوں سے دریافت ہو سکتے ہیں لیکن قلب کو مرتبۂ احسان تک پہنچا دینا تزکیۂ باطن، تجلیۂ نفس، تطہیرِ اخلاق، بغیر ایک زندہ شخصیت، بغیر ایک مرشدِ کامل کی وساطت کے کیوں کر ممکن ہے؟ جو قانون اور ضابطے کتابوں میں درج کرنے والے تھے، حدیث و آثار وفقہ کی کتابوں میں مدون ہوتے رہے لیکن جن چیزوں کا تعلق وجدانیات وکیفیات سے ہے وہ تحریر میں کیوں کر آ سکتی تھیں؟ وہ تو ایک قلب سے دوسرے قلب پر اپنا عکس ڈال سکتی ہیں۔

یہ مرشد کوئی خود رو اور خود رائے ہستی نہیں ہوتی بلکہ جس طرح آپ قرآن کی ساری عبارت کو محض سندِ متصل کی بنا پر کلام الٰہی مانتے چلتے آتے ہیں جس طرح آپ بخاری کی کسی روایت کو محض اس لیے کلامِ رسول ﷺ تسلیم کر لیتے ہیں کہ وہ معتبر سند تسلسل کے ساتھ رسول ﷺ سے روایت ہوئی ہے، ٹھیک اسی طرح اس مرشد کا قلب بھی ایسے ہی مضبوط واسطوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے قلبِ مبارک سے ملا ہوا ہوتا ہے۔ اس کا رابطۂ روحانی بھی ایسی ہی زنجیر کی مضبوط کڑیوں کی طرح سرچشمہ تقدیس وروحانیت سے جڑا ہوا ہوتا ہے جس طرح امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ (اللہ ان کی تربتوں کو ٹھنڈا رکھے) "آثارِ رسول ﷺ" و "اخبارِ رسول ﷺ" کو اپنے ضخیم دفتروں میں ضبط وفراہم کرتے رہے اسی طرح حسن بصری رحمہ اللہ وجنید رحمہ اللہ "اسرارِ رسول ﷺ" و "انوارِ رسول ﷺ" سے اپنے سینوں کو منور کرتے رہے، اُدھر رسول ﷺ کا قال ایک سفینے سے دوسرے سفینے میں نقل ہوتا رہا، ادھر رسول ﷺ کا حال ایک سینے سے دوسرے سینے کو طورِ سینا بناتا رہا،

دونوں شعبوں کی جامعیت عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہی میں صرف تھوڑے سے خوش نصیبوں کے حصے میں آئی۔ پھر آج چودھویں صدی میں اس کی تلاش پر کیوں اصرار ہے؟ تاہم زمانہ اب بھی یکسر خالی نہیں (شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ اور مولانا شاہ بدرالدین رحمہ اللہ کی مبارک ہستیاں اسی چودھویں صدی میں تھیں۔) اب بھی ایسی ہستیاں موجود ہیں جو گفتار و کردار اور قال و حال کی جامع ہیں اور علم وعمل، شریعت وطریقت کا حسین سنگم ہیں۔

سوال کیا گیا ہے کہ اگر کوئی مسلمان اپنی فطری صلاحیت سے اپنے اخلاق کی اصلاح کر لینا چاہے تو کیا یہ ممکن نہیں؟

جواب میں ایک دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص محض اپنی عقل سلیم کی مدد سے خالق ومخلوق کے حقوق پوری طرح ادا کرنے لگے تو کیا یہ کافی نہیں؟

نہیں اور یقیناً نہیں اگر محض عقل سلیم اور صلاحیت فطری خداشناسی کے لیے کافی ہے تو کیا کتابوں کے نازل کرنے، انبیائے کرام علیہم السلام کے بار بار بھیجنے اور ان سے منکرین کے جدال وقتال کا سارا نظام، معاذ اللہ بے کار و عبث ٹھہرتا ہے۔ یہ تنگی نہیں عین وسعت اور سختی نہیں عین رحمت ہے کہ دین اور معرفتِ دین کی نزاکتوں کا بار محض قوائے عقلی پر نہیں ڈال دیا گیا بلکہ اس کے لیے قوائے عقلی سے کہیں برتر و بلند تر قوت وحی الٰہی سے امداد بہم پہنچائی گئی اور اس نعمت غیر مرئی کو اجسام انبیائے کرام کی شکل میں مرئی و مجسم کر کے پیش کیا گیا اور دنیا پر ان کی پیروی فرض کی گئی۔ لفظ فرض اچھی طرح ذہن میں رہے، محض مستحب یا مستحسن نہیں، انبیائے کرام علیہم السلام خصوصاً سب سے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی فرض اور قطعی فرض ہے اگر آج کوئی شخص محض عقلی دلائل سے یا اپنے باطن کی اشراقیت کو بیدار کر کے اس نتیجے تک پہنچ جاتا ہے کہ صحیح عقیدہ، عقیدۂ توحید ہے اور نماز اور روزہ وغیرہ میں بے شمار فوائد ہیں تو ایسے شخص کا شمار ہرگز مسلمانوں میں نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ اس نے ان مسائل کو صحیح راستہ سے پیروی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اتباعِ وحی سے نہیں حاصل کیا، مسلم بننے کے لیے رسول

کے لائے ہوئے دین کی، رسول ﷺ کے نمونے کی پیروی لازمی ہے اور اسلام اور عدم اسلام کے درمیان یہی ایک شے فرق و امتیاز پیدا کرنے والی ہے۔

جب پیرویٔ رسول ﷺ ناگزیر ٹھہری تو سوال یہ ہے کہ پیروی رسول ﷺ کے معنی کیا ہیں؟ کیا محض الفاظِ رسول ﷺ کو قبول کر لینا مراد ہے؟ کیا محض ہیئت عبادتِ رسول ﷺ کی اقتدا مقصود ہے؟ کلام مجید میں ایک جگہ نہیں، متعدد بار اور کنایتاً نہیں صراحتاً اتباعِ رسول ﷺ کا حکم وارد ہوا ہے جہاں کہیں بھی یہ حکم آیا ہے اپنی مطلق وغیر مقید صورت میں آیا ہے یہ نہ کہیں ارشاد ہوا ہے نہ کہیں سے یہ نکلتا ہے کہ امت کے لیے رسول ﷺ کے صرف ظاہر کی پیروی کافی ہے اور باطن کی پیروی غیر ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ جس طرح ہمارے لیے اسوۂ حسنہ کا حکم بلحاظ اپنی نماز کی تعدادِ رکعات کے، رکوع وسجود کے، قیام وقرات کے رکھتے ہیں؛ اسی طرح وہ نماز میں خضوع وخشوع کے لحاظ سے ذوق ووجد کے لحاظ سے، کیف واستغراق کے لحاظ سے بھی ہمارے لیے اسوۂ حسنہ کے حکم میں داخل ہیں، پس جب باطنِ رسول ﷺ کی پیروی بھی ویسی ہی ضروری ٹھہری جیسی ظاہرِ رسول ﷺ کی تو اب ارشاد ہو کہ اس پیروی باطن کی صورت کیا ہے؟ رسالت ﷺ کے لفظ اور ظاہری کی پیروی تو کتابوں کے ذریعہ سے ممکن ہے پر معنی اور باطن کی پیروی کا کیا ذریعہ ہے؟ اخبارِ رسول ﷺ تو مجلدات کے الٹ پلٹ سے ہاتھ آ سکتے ہیں، لیکن انوارِ رسول ﷺ کا عکس کس آئینہ میں نظر آئے؟ رسول ﷺ کی بعثت کے............

بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلو علیھم آیاته و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمة.

اصلی مقاصد کلام مجید میں امت پر تلاوتِ آیات کے بعد دو بتائے گئے ہیں ایک تزکیۂ نفوس، دوسرے تعلیم وتشریحِ کتاب وحکمت، تشریحِ کتاب وحکمت کا سامان تو امام

بخاری وامام مسلم رحمۃ اللہ علیہما کی وساطت سے بحمد اللہ ہو گیا لیکن اس سے بھی مقدم تر مقصد، تزکیہ کی آخری کیا صورت ہے؟ مرشد کی تلاش ایک زندہ نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت انھیں سوالوں کا جواب ہے؟

یہ مرشد صحیح معنوں میں ''مقلد'' ہوتا ہے آئینہ کے پیچھے ''طوطی صفت'' رہ کر وہ استادِ ازل'' کے سبق کی تکرار کرتے رہنے سے اس کا کام زائد نہیں، کوئی نئی ریاضت کوئی نیا مجاہدہ ایجاد و اختراع کرنا ہرگز اس کا کام نہیں لیکن اجتہاد و استنباط کا دروازہ تو مقلدوں کے ائمہ فقہ اور غیر مقلدوں کے ائمہ حدیث دونوں کے لیے کھلا ہوا ہے پھر رحمتِ عام کا دروازہ غریب صوفی ہی کے حق میں کیوں بند کر دیا جائے؟

وہ ایجاد و اختراع کی بدعت سے یقیناً بچے گا لیکن جس طرح اہل ظاہر اپنے فہم و قیاس واستنباط کو معطل نہیں کر دیتے، وہ بھی اپنے کشف اپنے وجدان اپنے اشراق کو سرے سے معطل نہ کر دے گا وہ نسخہ جب کبھی بھی لکھے گا یقیناً شفا خانہ نبوت ہی کے قرابادین سے لکھے گا لیکن مریض کے مزاج وخصوصیات موسم کے حالات آب و ہوا کے اثرات وغیرہ کی مناسبت سے اجزائے نسخہ کی ترکیب اس کی اپنی ہو گی یہ اس کی خودرائی نہیں، عین تقلید؛ بدعت نہیں، عین پیروئ سنت ہو گی۔

بڑی مصیبت یہ آن پڑی ہے کہ دلیل کے مقدمات میں مثالیں بہروپیوں اور جعلسازوں کے پیشِ نظر رہتی ہیں اور نتائج نکالتے وقت سرے سے اصلیت وحقیقت سے انکار کر دیا جاتا ہے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ اگر پیتل کی چمک دمک پر آپ کو کئی بار سونے کا دھوکا ہو چکا ہے تو اب آپ سرے سے سونے ہی کے وجود کے منکر ہو چلے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اگر بیعت کا مقصد دعوت الی الحق ہے تو پیروں کی جماعت آج کہاں تک اس فرض کو ادا کر رہی ہے؟

سوال معقول ہے لیکن تلاش کو یہیں ختم نہ ہو جانا چاہیے بلکہ مزید سوالات یہ بھی

پیش ہونے چاہئیں کہ آج علمائے ظاہر کہاں تک اپنے فرائض کو ادا کر رہے ہیں، قومی رہنماؤں میں سے کتنوں کے عمل ان کے دعووں کے موافق ہیں؟ اخبارات کے ایڈیٹروں میں کس حد تک خلوص وصداقت ہے؟ مسلمان تاجروں کو کہاں تک دیانت واکل حلال کا خیال ہے؟ وقس علی ہذا ظاہر ہے کہ اگر قوم کا کوئی طبقہ بھی اپنے اصلی معیار پر قایم ہوتا تو آج یہ دن دیکھنا ہی کیوں نصیب ہوتا لیکن بدوں کی اکثریت کی بنا پر نیکوں کی اقلیت سے منکر ہو جانا ہرگز نہ شریعت کے مطابق ہے نہ عقل کے۔

نفیِ حکمت مکن از بہر دلِ عامے چند

تصوف کے ہزاروں سینکڑوں بدنام کرنے والوں کے ہجوم میں کچھ سچے صوفی تو اس وقت بھی موجود ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ القول الجمیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ

''رسم بیعت مسنون ہے اور بیعت صرف بیعتِ خلافت تک محدود نہیں بلکہ عہد نبوی ﷺ میں بیعت کی متعدد صورتیں رائج تھیں، مثلاً بیعتِ اسلام، بیعتِ ہجرت، بیعتِ جہاد، بیعتِ توبہ وغیرہ اور صوفیہ کی مروجہ بیعت، بیعتِ تقویٰ کی اسم میں داخل ہے، خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں تو اس بیعت کی علیحدہ ضرورت ہی نہ تھی۔ اس لیے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قلوب ونفوس شرفِ صحبتِ رسول ﷺ سے خود ہی نورانی تھے، خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد فتنہ کے خوف سے اور بیعتِ خلافت کے ساتھ اشتباہ والتباس کی بنا پر یہ بیعت موقوف رہی اور صوفیائے اس بیعت کا قائم مقام خرقہ کو سمجھتے رہے پھر جب ملوک وسلاطین کا دور آیا اور بیعتِ خلافت بند ہوگئی تو صوفیۂ کرام نے فرصت کو غنیمت سمجھ کر سنتِ بیعت کی از سرِ نو تجدید کی۔''

آگے چل کر حضرت شاہ صاحب جہاں بیعت لینے والے مرشد کے اوصاف کو شمار کراتے ہیں اس کی ایک خصوصیت یہ فرماتے ہیں:

والشرط الخامس ان یکون تصحب المشایخ و تادب بهم دهراً طویلاً و اخذ منهم النور الباطن و السکینة و هذا لِاَنَّ سنة الله جرت بان الرجل لا یفلح الا اذا رای المصلحین کما ان الرجل لا یتعلم الا بصحبة العلماء و علی هذا القیاس غیر ذالك من الصناعات.

''پانچویں شرط یہ ہے کہ مشائخ کی صحبت میں رہ کر ان سے طویل عرصہ تک ادب حاصل کیا ہو اور ان سے نُورِ باطن اور اطمینان حاصل کیا ہو اور یہ شرط اس لیے ہے کہ سنتِ الٰہی یوں جاری ہے کہ کسی انسان کو مراد نہیں ملتی جب تک اس نے مراد پانے والوں کو نہ دیکھا ہو، جس طرح علم نہیں حاصل ہوتا بغیر صحبت علما کے اور علی ہذا القیاس دوسرے پیشے بغیر استاد کے۔''

مضمون یوں ہی بہت طویل ہو گیا ہے، اگر مزید طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا، تو حضرت شاہ صاحب کے ارشاد کی کہ حصولِ فیض کے لیے کسی زندہ شخصیت کی صحبت لازمی ہے، کلام مجید سے تشریح کی جاتی اور مرشد کی ضرورت نیز آدابِ مرشد پر واقعۂ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام سے استدلال کیا جاتا، نیز انسان کے آگے جو حقیقتاً خلیفۃ اللہ ہے، سر نہ جھکانے کی وعید پر واقعۂ حضرت آدم علیہ السلام و ابلیس سے روشنی ڈالی جاتی، وہیں رسومِ صوفیہ اور خرقہ، ذکر وغیرہ، سوان کا کوئی لازمی تعلق تلاش مرشد و مقصدِ بیعت سے نہیں تاہم اگر ان رسوم کی مسنونیت اور سلاسل صوفیہ کی سندِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک معلوم کرنے سے دلچسپی ہو تو شیخ قشاشی کی السمط المجید ملاحظہ کی جاسکتی ہے جو دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن سے

شایع ہو چکی ہے۔

ایک ضمنی سوال یہ تھا کہ حدیث نبوی ﷺ من مات ولیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ الجاھلیۃ سے کیا مراد ہے؟ مجھے جہاں تک علم ہے ان الفاظ کے ساتھ صحاح میں کوئی حدیث مروی نہیں۔ یہ روایت شاید طبرانی کی ہے اور محققینِ فن کے نزدیک قابلِ احتجاج نہیں، تاہم اس سے ملتی ہوئی روایات صحاح میں موجود ہیں، مثلاً صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ روایت جس کا آخری ٹکڑا یہ ہے کہ:

لیس احدیفارق الجماعة شبراً فیموت الامات میتة جاھلیة.

''جو کوئی جماعت سے بالشت بھر بھی جدا ہوگا اور مر جائے گا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔''

حدیث کا مفہوم واضح ہے متابعت امام ولزومِ جماعت کی تاکید، امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الاحکام میں باب السمع والطاعہ لامام مالم تکن معصیۃ۔ (امام کی اطاعت کرنا جب تک کہ گناہ نہ ہو) کے تحت میں اسے رکھا ہے اور دوسرے محدثین کرام رحمہم اللہ اس مضمون کی حدیثوں سے لزومِ جماعت واطاعتِ امیرامت وامامِ جماعت کا مفہوم نکالا ہے، اس پر یہ سوال پیدا ہونا بالکل قدرتی ہے کہ ایسے ارشادات نبوی ﷺ کی موجودگی میں پھر سات کروڑ مسلمانانِ ہند کا کیا حشر ہوگا؟ ترک موالاتِ حکومت کے فتاویٰ، امارت شرعیہ کا قیام، خلافت کمیٹیوں کا نظام، یہ سب اسی سوال کے جوابات کی کوششیں ہیں۔

......تمّت بالخیر......

یہ تیرے پراسرار بندے

اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے پاکیزہ واقعات کا خزانہ
جن کا مطالعہ ہمارے لیے حقائق آفریں وبصیرت افروز ہے

مرتب
سید ذیشان نظامی عفی عنہ

قیمت:-/480 روپے

بک کارنر

شوروم: بالمقابل اقبال لائبریری بک سٹریٹ جہلم پاکستان
فون نمبر 614977-0544 موبائل 5777931-0323
پرنٹرز۔ پبلشرز۔ کمپوزرز۔ ڈیزائنرز۔ بک سیلرز۔ ہول سیلرز اینڈ لائبریری آرڈر سپلائیرز

صحابیِ جلیل کے سوانح حیات اور دورِ نبوت کے حالات و واقعات

جویائے حق

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

نایاب تاریخی تصاویر کے ساتھ

مصنف
مولانا عبدالحلیم شرر

تسہیل، نظر ثانی و تقدیم
پروفیسر سید امیر کھوکھر

قیمت: -/1200 روپے

نفیس طباعت، اعلیٰ کاغذ، خوبصورت سرورق اور مضبوط بائنڈنگ

ناشران: بک کارنر شوروم بالمقابل اقبال لائبریری بک سٹریٹ جہلم پاکستان